اپریل - مئی - جون 2022

ISSN 2320-8600

سہ ماہی مجلہ

المجیب

پھلواری شریف پٹنہ

مدیر

ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری

دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار)

DARUL ULOOM MOJIBIA KHANQUAH

Phulwari Sharif, Patna-801505, Bihar (INDIA) Mob.: +91-9572860252, 7717792508

دارالعلوم مجیبیہ، پھلواری شریف کے اکابر بزرگوں اور اولیاء اللہ کی یادگار اور ہندوستان کی قدیم درسگاہ ہے۔ اس کی علمی خدمات تین صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ یہ دارالعلوم اپنے سن قیام ۱۱۲۵ھ سے لے کر آج تک تواتر و تسلسل کے ساتھ علوم اسلامی کی ترویج و اشاعت میں لگا ہوا ہے اور الحمدللہ کسی دور میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ موقوف نہیں ہوا۔ ابتدائی فارسی درجات سے لے کر عربی کے آخری درجات، دورۂ حدیث تک یہاں تعلیم دی جاتی ہے — اور قرآن کریم کے حفظ و قرأت کی تعلیم معیاری طریقے پر ہوتی ہے۔ بچوں کے لئے اردو، ناظرۂ قرآن اور عصری تعلیم کا بھی انتظام ہے۔ تمام بیرونی طلبہ کے لئے قیام و طعام، کتابیں اور دیگر سہولیات کا اہتمام دارالعلوم مجیبیہ کی طرف سے مفت کیا جاتا ہے۔

اسلئے اہل خیر حضرات سے دردمندانہ اپیل ہے کہ صدقات، زکوٰۃ، عطیات اور دیگر مواقع پر دارالعلوم مجیبیہ کو فراموش نہ کریں۔ مالی امداد پہنچا کر عنداللہ ماجور و مثاب ہوں۔ یہ قدیم درس گاہ آپ کے تعاون کی مستحق ہے۔

چیک یا ڈرافٹ پر صرف "DARUL ULOOM MOJIBIA" لکھیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

هو العزیز المجیب ولی النعم

اہل حق کا ترجمان اور امن وسلامتی کا پیامبر

سہ ماہی

المجیب

پھلواری شریف پٹنہ

دینی، علمی وادبی مجلہ

ماہ : رمضان المبارک — ذی القعدة ۱۴۴۳ھ

ماہ : اپریل — جون ۲۰۲۲ء

مدیر : ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری

نائب مدیر : ظفر حسنین

جلد نمبر ۶۲ ✦ شمارہ نمبر ۲

زرتعاون

فی شمارہ	:	-/50روپے
سالانہ	:	-/200 روپے
سادہ ڈاک	:	-/250 روپے
رجسٹری ڈاک	:	-/400 روپے
پاکستان وبنگلہ دیش	:	-/500 روپے
دیگر ممالک	:	-/25$امریکی ڈالر

مجلس ادارت

مولانا شاہ بدر احمد مجیبی

مولانا محمد منہاج الدین مجیبی

پروفیسر حافظ فضل کبریا صدیقی

پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید

محمد فصیح الدین عاصم قادری زینبی

سرکولیشن منیجر : محمد مقصود عالم مجیبی

مراسلت وترسیل زر کا پتہ

رابطہ : +91-9006306098

ایڈیٹر

"المجیب" دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار)

E-mail : almujeebquarterly@gmail.com, Cell No. : +91-7250433562, 9006306098

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

فہرست مضامین

• **لمعات**	ظفر حسنین	۳

مضامین و مقالات

• حضرت شاہ غوث علی پانی پتیؒ (اخلاق و کمالات)	مولانا طلحہ نعمت ندوی	۵
• ایک تفسیری مغالطہ اور اس کا ازالہ	مولانا شہزاد علی مجیبی	۲۷
• گفتگو کے اسلامی آداب	مولانا نور الحق رحمانی	۳۴
• انیسؔ و دبیرؔ کے مرثیوں میں خواتین کربلا	سید محمد نیر رضوی	۴۱
• منزل جاناں پہ تو پہنچا بہ صد مشکل سہی (چند دن......)	وارث ریاضی	۵۳
• آنکھیں ہیں اشک بار کہ رہبر چلا گیا	جناب ڈاکٹر سید شاہ شمیم احمد گوہر مصباحی	۶۳
• The giant tree got uprooted	Engineer S. M. Ali Asad	۶۵

ادبیات

• قند پارسی	حضرت مولانا حافظ شاہ شہاب الدین ثاقب قادریؒ	۷۰
• عریضہ بہ بارگاہ رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم	جناب حضور مولانا شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی	۷۱
• نعت شریف	وارث ریاضی	۷۲
• منظوم نذرانۂ عقیدت	جناب غلام سعدی قادری	۷۳
• تہنیت	جناب رباب رشیدی صاحب	۷۴
• در شان حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری	ڈاکٹر سید شاہ شمیم احمد گوہر مصباحی	۷۵
• قطعۂ تاریخ وفات	جناب حضور مولانا شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی	۷۶
• قطعۂ تاریخ وفات	ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی	۷۷
• **کوائف و حالات**	ادارہ	۷۸

لمعات

• ظفر حسنین

آج بھی اچھی باتیں قابل عمل باتیں کہنے والوں کی تعداد کم نہیں ہے، لوگ کہہ رہے ہیں اور بہت بڑی تعداد میں کہہ رہے ہیں، اچھی باتیں بھی کہہ رہے ہیں اور بری باتیں بھی کہی جارہی ہیں۔ سائنس اور ٹکنالوجی نے اتنے وسائل پیدا کردیئے ہیں کہ سننے والوں کی تعداد کہنے والوں سے بہت زیادہ ہوگئی۔ آج دنیا کے کسی کونہ میں کہی جانے والی بات لمحوں میں، سکنڈوں میں دنیا کے دوسرے کونہ تک پہنچ جاتی ہے، فاصلہ کو لمحوں میں قید کرلیا گیا ہے، اس لیے اس کے مواقع زیادہ ہوگئے ہیں کہ اچھی اور قابل عمل باتوں کو زیادہ سے زیادہ لوگ سن کر اپنا سکیں، لیکن افسوس کہ ایسا ہو نہیں رہا ہے، دنیا کیوں روشنی سے تاریکی کی طرف جارہی ہے، اندھیرے کیوں نہیں چھٹتے، روشنی کیوں نہیں پھیلتی؟ یہ بات اگر لوگ سمجھنے لگیں، غور و فکر کی عادت ڈال لیں تو کچھ ہی سہی راستہ تو ملے گا— وہ راستہ جو آج پوری طرح تاریکی میں ڈوب گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب دنیا بنائی اور حضرت انسان کو پورے عقل وفہم کے ساتھ اشرف المخلوقات بنا کر آباد کیا تو کیا انسانوں نے اپنا حق ادا کردیا؟ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ ایک ذرہ کو انسان نے اپنی عقل وفہم سے ایٹم میں تبدیل کردیا اور پھر اس ایٹم میں اتنی طاقت بھر دی کہ وہ دنیا کو دوبارہ ذرہ بنانے پر آمادہ ہے۔

اس طرح یہ دنیا خیر و شر کے درمیان جھول رہی ہے— کبھی شر پر خیر غالب آجاتا ہے اور کبھی شر کو غلبہ مل جاتا ہے۔ آج امریکہ سبھوں پر غالب ہے، اس لیے کہ وہ طاقتور ہے اور دوسرے ممالک خاص کر مسلم ممالک ہر جگہ دبائے جارہے ہیں۔ ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔

یہ صورت حال اپنے عزیز ملک ہندوستان پر بھی عائد ہے۔ یہاں خیر کی نمائندگی اکثریت والے کررہے ہیں اور بے چاری اقلیت شر کی نمائندہ بنادی گئی ہے اور پھر شہ اور مات کا کھیل شروع ہوگیا ہے— ہر شخص دیکھ رہا ہے کہ کیسے اشتعال انگیزی کی جارہی ہے، جب پوری مسلم قوم کو برا ثابت کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہوگئیں تو رخ مسلمانوں کی شہ رگ کی

طرف پھیر دیا گیا— اور ہر شخص جانتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے شہ رگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے، اس لیے سیدھے نشانہ حضور اکرم ﷺ کی طرف کر دیا گیا۔ ان کی ذات پر تضحیکی کلمات کہے گئے اور ان کی مقدس ذات کو نشانہ بنایا گیا۔ برسر اقتدار جماعت نے اپنے خاص لوگوں کو اس کام کے لیے مامور کیا کہ وہ آخری حد تک جا کر اہل ایمان کی دل آزاری کریں تاکہ ردعمل ہو اور ملک میں بدامنی پھیلے اور مذہب اور ذات کی بنیاد پر برسر اقتدار طبقہ کا ووٹ بینک مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جائے، لیکن ایسا نہیں ہو پا رہا ہے، کیوں کہ غیر مسلموں کا بہت بڑا طبقہ بی جے پی والوں کی شیطانی چال کو سمجھ گیا ہے اور وہ اس سے کنارہ کش ہو کر سچائی کی راہ اپنا چکا ہے۔ ہمیں ان کا استقبال کرنا چاہیے اور ان کی ہمت اور جرأت کی داد دینی چاہیے۔

اہل ایمان بھی جو آج تک صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتے آئے ہیں، دشمنوں کو شہ رگ کی طرف بڑھتے دیکھ کر تڑپ گئے اور حضور اقدس ﷺ کی ذات کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے میدان عمل میں کود پڑے— ساری دنیا میں ایسا ردعمل ہوا کہ لوگ حیرت زدہ رہ گئے، ہندوستان کے کونہ کونہ سے لے کر افریقہ اور یورپ کے کونہ کونہ تک بس انسانوں کا ہجوم ہی ہجوم نظر آنے لگا جو سراپا احتجاج تھا۔ بہت عرصہ کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ ہر طبقہ کے لوگ، کیا سنی کیا وہابی کیا شیعہ کیا دوسرے؟ سب کے سب جان کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔ ہندوستان میں سب سے بڑا ردعمل ہوا اور یہاں گولیاں تک چلیں، جس سے کئی لوگوں کی جانیں گئیں، لیکن لوگوں کا جوش وخروش کم نہیں ہوا اور ایک جگہ سے دو اور دو سے پورے ملک میں احتجاج پھیل گیا۔

حالات کی سنگینی کو دیکھ کر بی جے پی والوں نے اس ملزم کو فوراً پارٹی سے خارج کر دیا— لیکن یہ ہرگز کافی نہیں ہے، یہ فیصلہ تو بی جے پی والوں نے صرف دکھاوے کے طور پر کیا ہے، اصل سزا تو حکومت کو دینی ہے، جس کا انتظار ہو رہا ہے۔ ان نامعقول مجرموں نے قانون توڑا ہے اور ملک میں بدامنی پھیلانے کی کوشش کی ہے، اس کی سزا بہر حال موت ہے، جو اُسے ملنی ہی چاہیے۔ اگر قانون نے انہیں موت کی سزا نہیں دی تو پھر زندگی ہی اُنہیں موت سے بدتر حیات دے گی— وہ زندہ رہ کر بھی موت کے لیے تڑپتے رہیں گے، یہ فطرت کا قانون ہے۔ اللہ کی مرضی ہے— ہمیں بہر حال صبر وسکون کے ساتھ اپنا احتجاج جاری رکھنا چاہیے، بغیر کسی کو نقصان پہنچائے حکومت کے دروازے تک اپنی آواز پہنچا دینی چاہیے۔ یہ ہمارا فرض ہے اور یقین جانیے حکومت اپنا فرض پورا کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

حضرت شاہ غوث علی پانی پتیؒ

اخلاق وکمالات

● مولانا طلحہ نعمت ندوی—استھاواں، بہار شریف

حضرت شاہ صاحب کے حالات اس سے قبل المجیب میں شائع ہو چکے ہیں، اب ان کے اخلاق وکمالات اور شمائل پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔گذشتہ مضمون میں ذکر کیا گیا تھا کہ تذکرہ غوثیہ میں تو ان کے اخلاق وکمالات کی تفصیل بہت کم ہے لیکن دوسری سوانح ریاض الفقر میں بہت تفصیل سے اس پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے، یہاں مصنف ریاض الفقر ہی کے الفاظ میں اس کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے۔کہیں کہیں غلطیوں کی اصلاح اور جزوی ترمیم کی گئی ہے۔

حضرت قبلہ وکعبہ شیر مرد، فرد موحد، یکتا عارف، بے باک، قلندر مشرب، غرق بحر بے پایان توحید وعرفان، مستغرق ذات، مستغنی بالصفات، محو جہد وریاضت، منبع شریعت وطریقت، عابد شب زندہ دار، گم شدہ یار، جامع کمالات صوری ومعنوی، مظہر اسرار خفی وجلی، مصدر فیوضات نامتناہی، مخزن انوار الٰہی، آئینۂ تقدس صفات، جوہر تنزیہ ذات تھے۔فصاحت، بلاغت، متانت ورزانت لطافت وظرافت، خوش خوئی وخوش روئی وخوش کلامی آپ کا حصۂ خاص تھا۔ہر کلام معجز نظام لطیفۂ غیبی وعطیۂ لاریبی تھا۔خلق ومدارات وعنایات عام کا ایک ابر تھا کہ ہر وقت برستا تھا۔خیر الناس من ینفع الناس۔

ترک اور تفرید اور تجرید میں آپ کا حال مطابق قول حضرت غوث الثقلینؓ تھا۔

العافیة فی ترك طلب العافیة ،والغنی فی ترك الغنی،الدواء فی ترك الدواء،کل الدواء فی التسلیم الی الحق عزوجلّ،وقطع الاسباب وقلع الارباب من حیث قلبك۔

یہ شعر اکثر ارشاد ہوتا تھا:

گذشتم از سر مطلب تمام شد مطلب ❀ حجاب چہرۂ مقصود بود مطلبہا

ظاہر آپ کا اعراض سے مجرد اور باطن آپ کا اعراض سے معرا تھا،تمام افعال ظاہری و باطنی آپ کے خالصاً للہ تھے،طاعات وعبادات ظاہری باطنی سے کوئی غرض یا فیوض اخروی یا دنیوی کی آرزو نہ تھی۔ ہر وقت آثار بشاشت اور فرحت اور انوار ولایت بہ مصداق ’’اذا رؤا ذکر اللہ‘‘ آپ کے چہرہ مبارک سے عالم بہار کی مانند جلوہ افروز تھے۔ایک ایک موئے ریش مبارک پرنور اور شگفتہ رہتا تھا۔ایک بار منشی فضل رسول صاحب نے عرض کیا کہ بعض بزرگ مغموم ہوتے ہیں کیا وجہ ہے،فرمایا کہ اقسام بزرگوں کے بہت ہیں۔ازاں جملہ بعض مغموم اور بعض شاداں رہتے ہیں،اور بعض شادی اور غم دونوں سے آزاد ہوتے ہیں۔

نہ شادی داد سامانی نہ غم آورد نقصانی
بہ پیش ہمت ما ہر کہ آمد بود مہمانی
غم نہ کیجے غم کا اور شادی نہ کیجیے عیش کی
دونوں حالت دیکھئے منھ سے نہ کچھ فرمائیے

جو کوئی حسرت زدہ واندوہ گیں حاضر خدمت ہوا حجرہ میں قدم رکھتے ہی غم واندوہ بھولا،شاداں وفرحاں واپس گیا،کبھی کسی کو کسی بات سے مایوس نہ فرمایا،ہمیشہ رحمت حق اور فضل الہی کا امیدوار بنایا،اگر کوئی مایوسانہ کچھ کہہ اٹھا تو ارشاد ہوتا:

نہ لاؤ کبھی یاس کی گفتگو
کہ آیا ہے قرآں میں لاتقنطو

کیسی ہی تکلیف جسمانی حالت حضر یا سفر میں ہوتی کبھی شاکی نہ ہوتے، جب کبھی کوئی دریافت کرتا فرماتے اچھے ہیں،زبان مبارک پر کبھی لفظ شکایت نہ آتا۔قسم کھانا شیوہ نہ تھا،دروغ،ہزل سے اجتناب تھا۔جو وعدہ کسی کے ساتھ فرماتے اس کو کمال خیال سے وفا کرتے۔کسی پر لعنت ملامت نہ فرماتے،نہ کسی کو کسی طرح کی ایذا پہنچانے پر نظر رکھتے،کسی کے حق میں کبھی بددعا نہ کی،کوئی کیسا ہی ہو اور کچھ کرے کسی پر الزام کفر وشرک ونفاق نہ لگایا،منہیات ظاہری و باطنی کی خواہش نہ ہوئی،کسی پر کسی طرح کا اپنا بار نہ رکھا کسی سے کسی طرح کا اپنے واسطے سوال نہ کیا۔

حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کا قول ہے،طامع مثل حروف طمع کے خالی ہے،طمع را سہ حرف است،ہر سہ تہی۔نہ کسی امیر کے پاس جانے کی خواہش تھی نہ ان کے بلانے کی تمنا۔بہ نسبت امیروں کے غربا اور مساکین کے حال پر زیادہ توجہ فرماتے تھے،کیوں کہ حدیث ہے،فضل الفقراء علی الاغنیاء کفضلی علی جمیع خلق اللہ. اکثر فرماتے تھے، جو کوئی ہمارے پاس آوے بسم اللہ اور جو نہ آوے،الحمد للہ۔اور گاہ یوں ارشاد ہوتا تھا،جو آوے بر چشم اور جو نہ آوے بر پشم۔ نہ کسی کے آنے کی خوشی اور نہ جانے کا غم۔حضرت ابو علی دقاق کا قول ہے کہ امیروں کو فقیروں کی تواضع کرنا دیانت ہے اور فقیروں کو امیروں کی تواضع خیانت ہے۔تواضع میں یکتا تھے،اور جب تواضع کا ذکر آتا تھا تو اپنی نسبت یوں فرماتے تھے:

تواضع ز گردن فرازاں نکوست
گدا گر تواضع کند خوئے اوست

کسی دوسرے سے تواضع و خدمت کرانی منظور نہ تھی۔ اگر کوئی چاہتا کہ میں آپ کی خدمت کروں یا آپ میرے مکان پر قیام فرمائیے تو ارشاد ہوتا۔

نشوم کشتہ درآں شہر کہ ماتم باشد
نخورم زخم دراں کوچہ کہ مرہم باشد
خجل آن کشتہ کہ چوں تیغ کشد غمزۂ دوست
احتیاجی بدم عیسیٰ مریم باشد

رسومات دنیوی میں کسی کے شریک نہ ہوتے تھے، نہ مدح سے خوش تھے نہ غم سے دلگیر۔ اگر کوئی خادم یا معتقد کوئی قصیدہ یا غزل آپ کی صفت وثنا میں لکھ کر لاتا، فرماتے کہ ہم اس لائق نہیں ہیں۔ اور چونکہ آپ کا نام نامی اجزائے اسم پاک غوث الاعظمؓ اور حضرت علیؓ سے مرکب تھا، فرماتے تھے کہ حضرت غوث الاعظم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں جو کچھ کہو زیبا ہے، نہ ہماری نسبت۔ حسب ارشاد حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ "لاتخف احدا" سوائے خدا عزوجل کے کسی سے کچھ بیم وامید دل میں نہیں رکھتے تھے۔ بہ موجب "وکلوا الحوائج الی اللہ واطلبوا منہ" سب کاموں اور حاجتوں کو سپرد خدا رکھتے تھے "ولا تثق باحد سوی اللہ" نہ سوائے خدا کے کسی پر اعتماد تھا۔

ایک روز منشی فضل رسول صاحب نے معاملہ باطنی میں کچھ عرض کیا، فرمایا کہ ہم نے جس طرح اپنا معاملہ سپرد خدا کر رکھا ہے اسی طرح تو بھی خدا کے سپرد کر دے، جو کچھ خدا کو کرنا ہوگا وہ آپ ہی ظہور میں آئے گا۔

مردم شناسی آپ کی ذات پر ختم تھی، حاضرین خدمت کے مدعا و مرام کا جواب بے عرض وگذارش نقول و روایات، قصص وحکایات کے پردے میں، تلمیح وکنایات کے پیرایہ میں ایسی توضیح اور تشریح کے ساتھ ہوتا تھا کہ ہر شخص کامیابی کے مزہ سے خورسند اور تحقیق کے لطف سے خرم ہو جاتا تھا۔ ہر بات سے طرح طرح کے معنی اور ہر لفظ سے انواع انواع کے رمز سامعین کی سمجھ میں آتے تھے۔

کیجیے رمزوں میں مذکور نگار
قصۂ اغیار میں ہو ذکر یار

ہر بیان خزینۂ اسرار کا جوہر اور ہر تشریح دریائے رموز کا گوہر تھی، پاستانی کہانی حال کی نشانی اور استقبال کی رمز دانی تھی۔ جو بیان موحدانہ قلندرانہ یا بیان حقائق و معارف تھا ہر کس و ناکس کے روبرو نہیں فرماتے تھے، جب کوئی خادم فہمیدہ سنجیدہ یا کوئی بزرگ اہل توحید وتفرید حاضر خدمت ہوتا تھا اس وقت رمز وکنایہ ونقل وحکایات کے ذریعہ سے بنظر تعلیم وتلقین وبخیال

ہدایت وارشاد حقائق ودقائق ذات وصفات کا دریا بہاتے تھے۔ جب کوئی غیر وضع یا اس راہ سے نا آشنا آپہنچا معاً گریز فرما کر اورطرف متوجہ ہو گئے۔ کلموا الناس علی قدر عقولھم۔

جو آدمی جس قسم اور جس ظرف کا حاضر ہوا اس نے اپنی لیاقت اور سمجھ کے موافق جواب پایا، کبھی کسی کے دل میں کسی طرح کی شکایت نہ آئی، کسی کے مخالف مزاج کوئی لفظ نہ فرمایا۔ مقالات اسرار توحید کے بارے میں طالبوں کو ارشاد ہوتا تھا کہ دل سے سمجھنا اس کا فرض ہے، مگر زبان سے کہنا کفر۔

درخموشی صد ہزاراں سود داں
گفتگو دارد ہزار ایں جا زیاں
اے زیاں ہم گنج بے پایاں توئی
اے زباں ہم رنج بے درماں توئی

من سکت سلم ومن سلم نجا. مناظرہ ومباحثہ مذہبی یا غیر مذہبی سے بالکل احتراز تھا۔

ایک دفعہ مولوی عمار علی مجتہد اہل شیعہ حسب عادت بمقام پانی پت آپ کی خدمت میں آئے اور ایک شخص اور ہم مذہب ان کا ان کے ساتھ تھا، اس نے بہ نظر مباحثہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور یزید کا قصہ شروع کیا، آپ نے سنتے ہی فرمایا، وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ جن وانس کو خدا تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے واسطے پیدا کیا ہے، سو ہم اس میں مصروف ہیں، ان جھگڑوں کے لئے ہم کو نہیں پیدا کیا، تب اس کو مجتہد صاحب نے منع فرمایا، وہ خاموش ہو رہا۔ اہل مناظرہ بحث اور مناظرہ کے تفکرات اور خیالات میں ایسے غلطاں پیچاں شبانہ روز رہتے ہیں گویا اسی کو خدا پرستی سمجھتے ہیں، اور عاشقان ذات ہر گھڑی، ہر لحظہ جویان وخواہان ورود حال رہتے ہیں، قیل وقال کے بھنور جال میں نہیں پھنستے۔ العلم حجاب اکبر۔

عالمانہ وعظ کہنے کا ابتدا میں شوق تھا، اب کبھی اتفاق نہ ہوتا تھا، فتویٰ وسند پر مہر ودستخط کبھی نہ فرمائے۔ مسئلہ شرعی اگر کسی نے دریافت کیا بکمال انکسار ارشاد ہوا کہ مدت سے کتب دینیات کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوتا شاید کچھ غلطی ہو جائے، علمائے وقت سے دریافت کرلو، پھر ہم کو بھی سنا دینا، بعض وقت خود بھی بتا دیتے تھے مگر یہی تاکید ہوتی تھی کہ اور کسی سے بھی تحقیق کرلینا۔ کسی کے ظاہری یا باطنی حال پر کسی طرح اعتراض نہیں فرماتے تھے۔ تخلقوا باخلاق اللہ کوئی کسی ملت، مذہب کا ہندو یا مسلمان، یہود یا نصاریٰ، کافر مومن، مرد عورت آپ کی خدمت میں آیا، اس سے بکمال لطف ومرحمت پیش آئے، اور جو کچھ خلا یا ملا میں اس نے کہا بتوجہ خاطر سنا اور بلا اکراہ جواب باصواب دیا۔

خاک آپ کو سمجھنا اکسیر ہے تو یہ ہے ❁ اخلاق سب سے کرنا تسخیر ہے تو یہ ہے
سب کام اپنے کرنا تقدیر کے حوالہ ❁ نزدیک عارفوں کے تدبیر ہے تو یہ ہے

ہرکس وناکس زن ومرد سے بے تکلف ملنا اور گفتگو کرنا کمال درجہ کے عارف اور موحد ہونے کی دلیل ہے۔طوائفان بازاری پیشہ ور آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں، بے تکلف ان سے بھی گفتگو کرتے تھے۔

جس ملت مذہب کا آدمی آپ کے سامنے آتا تھا اس کے دل کو آپ کی طرف خود بہ خود کشش ہوتی تھی۔ایک دفعہ آپ بمقام لکھنؤ ایک مسجد میں رونق افروز تھے، ایک روز سلیمن صاحب بہادر رزیڈنٹ لکھنؤ کا اس طرف گذر ہوا، ایک امیر دور سے دیکھ کر مسجد کے اندر چلا گیا اور صاحب سے نہ ملا، سلیمن صاحب نے بھی اس کو دیکھ لیا، مسجد کے قریب پہنچ کر سواری سے اتر کر مسجد میں آیا، حضرت قبلہ کو دیکھتے ہی سر پر سے اپنی ٹوپی اتار کر بکمال ادب و تعظیم سلام کیا، اور باتیں کرتا رہا، پھر آپ کی دعوت کی اور تواضع تکریم سے پیش آیا۔

علاوہ انسانوں کے قوم اجنہ آپ سے معتقد تھے، جب کوئی قوم اجنہ میں سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا یکا یک اس کو ہیبت اور عظمت کے مارے گفتگو کرنے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا۔ایک دفعہ ولی عہد شاہ اجنہ خدمت بابرکت میں حاضر ہوا، دیر تک حاضر رہا مگر خوف کے باعث سے کچھ عرض نہ کرسکا، جب آپ خود ہی کمال نظر لطف وکرم سے اس کی طرف متوجہ ہوئے تب اس نے مدعائے دلی اپنا عرض کیا، خدا تعالیٰ کے فضل سے جب مدعائے دلی اس کا حاصل ہوگیا، نہایت خوش اور شکر گذار ہوا، ملکۂ شاہ بھی مشکور ہوئی۔جانوران درندہ مثل شیر یا گرگ آپ کی ہیبت میں ایسے دبے جاتے تھے کہ ذرا کان نہیں ہلاتے تھے۔

جس زمانہ میں آپ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جو پیران کلیر کے جنگل میں واقع ہے رونق افروز تھے ان روزوں میں وہاں بڑا بن اور جنگل تھا، میاں علی حسن اعظم علی شاہ صاحبؒ کے صاحبزادے آپ کی خدمت میں وہاں تشریف لے گئے، ایک دن آپ نے فرمایا کہ اس جنگل میں ایک درخت رائے بیل کا پرانا مدت دراز کا ایک پیپل کے درخت کے اوپر پھلا ہوا ہے، اور اس میں تخم بہت لگتے ہیں، میاں علی حسن آپ کے ساتھ دیکھنے گئے، اتفاقاً اس کے نیچے شیر سوتا تھا، اس کے اوپر آپ کا پاؤں پڑ گیا وہ بیدار ہوا اور آپ کی طرف اس نے دیکھا، آپ نے بھی نظر قہر سے اس کی طرف دیکھا، شیر وہیں بے حس وحرکت رہ گیا، آپ اس درخت کے تخم توڑ کر لے آئے۔

آواز آپ کی بلند، پر رعب تھی، یادداشت اور ضبط حافظہ کی یہ کیفیت تھی کہ سوائے علم تفسیر وقرآن وحدیث، عربی وفارسی کتابوں کے مقامات اور اشعار عربی وفارسی، ہندی دوہرہ وگیت اور بھجن وغیرہ قریب ستر ہزار کے یاد تھے۔نقول وحکایات انبیاء علیہم السلام واولیاء علیہم الرحمۃ کی اس قدر یاد تھیں کہ ہر وقت، ہر موقع پر تمثیلا فرمائی جاتی تھیں۔سن تمیز سے تا دم آخر سفر اور حضر کے معاملات اور حالات وواردات بقید تاریخ وماہ وسال کے بخوبی یاد تھے۔ہزار قسم کے شغل اشغال، درود، وظائف، ذکر وفکر، ہر خاندان کے عمل تعویذ، جنتر منتر، زکاۃ کی ترکیبیں، صدہا ادویات زبانی یاد تھیں، ہمیشہ یادداشت زبانی سے بتاتے رہتے تھے، اثنائے کلام میں موافق موقع آیات، حدیث، اقوال بزرگان دین، اشعار گہربار پڑھتے تھے، ہندی عبارات اور دوہرہ بڑی فصاحت اور بلاغت سے نہایت صحیح اور درست اسی لہجہ میں پڑھتے تھے، کہ سامعین زبان داں حضرت کو علم شاستر کا ایک بڑا پنڈت زبان داں

جانتے تھے۔حاضرین خدمت بدل وجان جوارشاد ہوتا تھا سنتے رہتے، مگرخوش تقریری اورخوش بیانی اور ہیبت اوررعب وعظمت کسی کو یارائے دخل نہ تھا۔حاضر جوابی میں یکتائے روزگار تھے، کیسا ہی فہیم آیا اس نے معاً جواب کافی پایا، یہ ہیبت اور عظمت آپ کے وجود باوجود میں بوجہ ظہور شان حیدری تھی، جوخادم طالب علم فہیمدہ اورمودب ہوتے تھے وہ گفتگوئے رموز اوربیان حقائق اور دقائق کو سنتے تھے اس کے لطف اوراثر کثیف میں محو ہوجاتے تھے اور مانند دیوار ساکت اورخاموش بیٹھے رہتے تھے۔اور جن کا دل کلام معجز نظام کے اثر سے بے بہرہ ہوتا تھا وہ کبھی کچھ بول اٹھتے تھے، آپ مسکرا کرٹال دیتے تھے۔بعض آدمیوں کا یہ حال تھا کہ انواع انواع کی باتیں بارادہ عرض دل میں سوچ کرجاتے تھے، جس وقت خدمت میں پہنچتے تھے یک لخت سب بھول جاتے تھے، اورگاہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ بعض آدمی بارادہ عرض خلایا ملا میں جب حاضر ہوتا اور آپ کو اس کا سماعت فرمانا کسی حکمت سے منظور نہ ہوتا تھا ہر چند اس سے دریافت فرماتے، کہو کیا کہنا ہے، اس کی زبان سے کچھ برآمد نہیں ہوتا تھا۔اگرکوئی بہ نظر اظہار لیاقت ارشاد والا پر کچھ اعتراض کرتا فرحت اورشادمانی سے اس کو سماعت فرماتے تاکہ معترض کو اپنی خطا اورنادانی پر وہم نہ ہو اور فرماتے......وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ○

جن خادموں کو کمالات وعظمت کا حال ظاہر تھا ان پر ایسی ہیبت طاری رہتی تھی کہ کوئی گفتگو اورکلام بے باکانہ یامعترضانہ زبان پر نہ آتا تھا، اورجن کا حال مثل نابیناؤں کے تھا وہ جو چاہتے تھے گفتگو کرتے تھے۔ایک دن ایک شخص عرض پرداز ہوا کہ آپ فیض باطنی سے مجھے بہرہ یاب نہیں فرماتے اورفیض رسانی میں بخل کرتے ہیں، آپ نے کمال ظرافت اورخوش طبعی سے فرمایا کہ سوروپیہ ماہواری کی تم کو پنشن ملتی ہے ایک ماہ کی تنخواہ نذر کرو پھر دیکھو تو خدا تعالیٰ کیا کرتا ہے، وہ سوروپیہ کا نام سنتے ہی دم بخود ہوگئے۔تب فرمایا کہ خواہش حصول دولت سرمدی فقر رکھتے ہو، جو بے بہا اورلازوال ہے، اوردولت دنیا کی جس کے سامنے کچھ حقیقت نہیں ہیچ درہیچ اورفنا پذیر ہے، قدر کرتے ہو؟ اگرتم سوروپیہ دیتے اسی وقت ہم اورکسی کے حوالہ کردیتے، برائے نام بھی تم نے دینے کا اقرار نہ کیا، ہم سے کہتے ہو کہ آپ بخل کرتے ہو۔

ایک دفعہ ایک شخص بہت سے پارچہ جات پوشیدنی کا گٹھر لے کر خدمت میں حاضر ہوا اورکئی دن تک دربارہ تعلیم اور تلقین راہ فقر انواع انواع قسم قسم کی باتیں کرتا رہا، بکشادہ پیشانی سنتے رہے، جب ایک دن اس نے زیادہ اصرار کیا اوراپنے ہمت اورحوصلہ سے بڑھ کر گفتگو کرنے لگا تب فرمایا کہ جس طرح ہم نے اپنا وطن اورعزیز واقارب چھوڑ کر خانہ بدوشی اختیار کی ہے اسی طرح تو بھی اختیار کر۔پہلے تو کپڑوں کی گٹھری کو آگ لگادے اوراپنے تن من کو مار کر صحرانشینی اختیار کرتب ہم تجھ کو راہ خدا کی تعلیم کریں گے، چوں کہ وہ طالب صادق خدائے تعالیٰ نہ تھا، ایک بوالہوس تھا، کپڑوں کو نہ جلاسکا اورچل دیا۔

پابندی شریعت کی یہ کیفیت تھی کہ تمامی علمائے دین متین اور بزرگان واکابران طریقت جن سے آپ ملے اور جو آپ کے وقت میں زیب مسند ارشاد وتلقین تھے آپ کے مداح اورثناخواں رہے۔تمام عمر میں کسی فرد بشر نے کسی طرح کا اعتراض نہ کیا،

بلکہ اکابران دین کا دربارۂ اتباع شریعت یہ قول تھا کہ اس وقت میں صوفیائے کرام میں ایسا پابند شریعت غرا کوئی نہیں ہے۔ باوجود واقفیت کسی کا عیب ظاہر نہ فرمایا، پردہ پوشی نہایت پسند خاطر تھی۔

اگر کوئی خادم کسی فعل ناشائستہ کا مرتکب ہوتا اشارہ کنایہ سے تادیب فرماتے ،تنہائی میں اس کو تنبیہ کرتے ،مگر بمقتضائے حلم اور حیا وستار العیوبی جلسہ میں زبان مبارک سے کچھ ارشاد نہ فرماتے، یا بہ تصرف باطنی اس کے وجود میں ایسا تصرف فرماتے کہ وہ خود بخود ان حرکات کو چھوڑ دیتا۔ ان للہ تعالیٰ عبادا یعرفون الناس بالعلامۃ ،ولہ عباد یعرفون الناس بالفراسۃ ،ولہ عباد لھم نور یمشون فی الناس کما یمشی الارواح فی الاجساد،ولہ عباد یمشون فی الناس کمشی المرض فی الاعصاب .اور جس کا حال از راہ باطن معلوم ہوجاتا تھا کہ یہ اس حرکت سے باز آنے والا نہیں ہے اس کو زبان مبارک سے کچھ نہیں فرماتے تھے۔ اور جو کوئی کسی خادم کی بداطواری کا حال آپ کی خدمت میں عرض کرتا تو فرماتے کہ باپ کے سب بیٹے نیک اطوار اور نیک چلن نہیں ہوتے۔ جب کوئی خادم یا مرید یا شائق دانستہ یا نادانستہ نزدیک یا دور سے آیا اس کی مہمانداری اور تواضع ومدارات اس الطاف سے فرماتے کہ شفقت پدری اور مادری یاد نہ آئے۔

جس کو مفلس سمجھا نقد وجنس سے مشرف اور دل شاد فرما کے رخصت کیا، جب کسی نے عریضہ خدمت میں بھیجا خواہ وہ آشنا ہو یا نا آشنا معاً جواب تحریر ہوا۔ صدہا خطوط روزانہ آتے تھے ،شاہ ،وزیر، امیر ،فقیر، خادم ومرید، آشنا و نا آشنا سب کو باستثنائے منشی فضل رسول صاحب کے ایک لقب ”محب الفقراء دوست اہل اللہ“ لکھا جاتا تھا، اور منشی فضل رسول صاحب کو بالقاب سعید الکونین مقبول دارین اکثر سرفراز فرماتے تھے۔ جواب ہر خط کا بلا توقف لکھا جاتا تھا، حاضرین خدمت جواب لکھتے تھے، من جملہ حاضرین کے حافظ عبد القادر وقاضی عبد الحق صاحب باشندگان پانی پت بوجہ زیادہ حاضری بکثرت لکھتے تھے۔ اسرار بطونی کے اخفا میں ایسے ضابط تھے کہ ہزاروں طرح کے اسرار عرفان اور توحید الٰہی کے از راہ باطن منکشف ہوتے رہتے تھے مگر مطلق ان کو زبان پر نہیں لاتے تھے، اور اگر فرماتے تھے تو رمز وکنایہ اور اشارات کے ذریعہ فرماتے تھے کہ جس کو اسرار داں اور تیز فہم سمجھ سکتا تھا۔ ہر شخص حضرت کے ارشادات رموز آگیں مطالب کو نہیں سمجھتا تھا، ہمیشہ بتاکید فرمایا کرتے تھے کہ جس طالب پر جو اسرار کھلے اس کو ہرگز ظاہر کرنا نہ چاہئے، ظاہر کرنا مضر ہے۔ اخفائے راز میں آپ کو پورا پورا عمل اس حدیث پر تھا، من کتم سرہ فقد حصل امرہ.

کشف وکرامت پر کسی قسم کا ناز نہ تھا بلکہ اگر کوئی کسی بات کی مداحی کرتا تھا تو ٹال دیتے تھے۔ باقر شاہ صاحب نامی ایک بزرگ نے موضع بابری میں اپنا حال باطن کا تمام آپ کو سنایا اور آپ سے متوقع ہوئے کہ آپ بھی کچھ فرمائیے، ارشاد ہوا کہ کسی کو بخار میں ہذیان ہوجاتا ہے اور کسی کو سکوت۔ ہم اپنا حال کہنا پسند نہیں کرتے۔ تکلف اور تواضع سے اگر کوئی زیادہ پیش آتا تھا خوش نہ ہوتے تھے، سادگی اور بے تکلفی منظور خاطر تھی، خاطر وتواضع میں کسی قسم کا تکلف نہیں فرماتے تھے۔ ذوق کا شعر اکثر ایسے موقع پر یاد فرماتے تھے

اے ذوق تکلف میں ہے تکلیف سراسر ❁ آرام سے ہیں وہ جو تکلف نہیں کرتے

بے تعلقی حد سے زیادہ تھی، تعلق ناپسند تھا۔ دعوی وانانیت کی بات سے کبھی لب آشنا نہ ہوئے اور کسر نفسی وفروتنی مزاج میں اس قدر تھی کہ کسی بات میں کسی بزرگ پر اپنے آپ کو فضیلت نہیں دیتے تھے، اعظم علی شاہ صاحب ایک بزرگ نقشبندیہ صدر بازار میرٹھ میں رہا کرتے تھے، ایک دفعہ انہوں نے بمقام موضع بابری منشی فضل رسول صاحب کی معرفت یہ پیغام خدمت میں بھیجا کہ آپ کے نام میں غین ہے، اور میرے نام کے شروع میں الف ہے، بحساب ابجد غین کے ہزار ہوتے ہیں اور الف کا ایک، آپ کو خدا نے ہزار درجہ مجھ سے زیادہ افضل اور اعلیٰ پیدا کیا ہے، آپ میرے حال پر بھی نظر عنایت فرمادیں، جب پیغام منشی فضل رسول صاحب نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا تو بجواب اس کے آپ نے یہ رباعی پڑھی:

آثار تعینات چوں یافت حکی
کثرت ہمہ وحدت است بے ہیچ شکی
چوں سفر شد نہاں از رقمت
بنگر کہ دہ وصد وہزار است یکی

کسی بزرگ پر اپنے کو ترجیح نہ دیتے تھے، نہ کسی بات کو اپنی طرف منسوب فرماتے تھے، بلکہ بعض اوقات جو کوئی شخص کسی بات کا مداح یا ثنا خواں ہوتا تو یوں فرمادیا کرتے تھے، یہ حضرت قلندر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دربار ہے۔

ایک دفعہ ایک بزرگ بہ طلب دعا آپ کی خدمت میں آئے اور بمقام پانی پت ایک بڑے عالم وفاضل کے گھر ٹھہرے اور چند بار آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مولوی صاحب سے جن کے گھر ٹھہرے تھے کہنے لگے کہ میں کئی دفعہ حضرت کی خدمت میں گیا اور وہ ایک دفعہ بھی یہاں تشریف نہ لائے، میں کیا ان سے کچھ کم ہوں، مولوی صاحب نے یہ بات سن کر جواب دیا کہ حضرت میں اور تو سب کچھ ہے مگر یہی ان میں نہیں ہے جو آپ نے فرمایا۔ کسی خادم کی نسبت سوائے دوست اور آشنا کے مرید کا لفظ نہ فرمایا بلکہ جناب یا صاحب کے ساتھ خادم و مرید کا نام لیتے تھے۔ اور جس کسی بزرگ کا ادنی یا اعلیٰ کا ذکر فرماتے تھے تو نہایت ادب اور تعظیم سے نام لیتے تھے، حتی کہ عوام الناس کو بھی ادب سے یاد فرماتے تھے۔

ظاہر و باطن کے مفاد کے واسطہ خواہاں، دعا اور ہمت کے طالب جو آئے کامیاب اور شاد کام ہوئے۔ اگر کسی نے کسی بات کو عرض کیا اس کا جواب سوائے اس کے نہ تھا کہ جو سرکار کی مشیت ہوگی اس کا ظہور ہوگا لیکن ''ہوگا'' کا لفظ ظہور پذیر امورات کا رمز تھا اور فقط یہ فرمانا کہ جیسی مرضی حق ہے ویسا ہی ہونے والا ہے یہ ناکامی طالب کی دلیل تھی، ہونے والے کے لئے ''ان شاء اللہ ہوگا'' ہر جملہ میں ہوتا تھا، اور نہ ہونے والی بات پر جو مرضی حق کے سوا زبان پر کچھ نہ آتا تھا۔ توکل اور رقاعت میں تمام عمر بہ فرحت تمام بسر فرمائی، جو کچھ نقد وجنس فتوحات غیبی سے آیا بے تامل تقسیم کردیا، اپنے پاس کچھ نہ رکھا۔ ہدیہ اور تحفہ فرستادہ حق سمجھ کر قبول فرماتے تھے، اکثر حاضرین پر اس کو تقسیم فرمادیتے تھے، اگر کوئی چیز کسی ایسے شخص کو عطا فرمانی منظور ہوتی تھی جو اس وقت

موجود نہ ہوتا تھا اس کو رکھ چھوڑتے تھے، پھر اس کو بوقت حاضری عطا فرماتے تھے۔ اکثر آرندہ ہدیہ کو خواہ اس وقت خواہ بوقت دیگر کوئی شے بتلافی ہدیہ عطا ہوتے تھے، یہی طریقہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جس وقت کوئی ہدیہ کہیں سے آیا اور حاضرین مجلس میں سے کسی نے اس کو پسند فرمایا فوراً اس کو عطا ہوگیا حتی کہ پارچہ پوشیدنی جب تیار ہوا جس وقت کسی نے اتنا کہا کہ بہت اچھا ہے، اسی وقت اس کے حوالہ فرمادیا۔ مخفی طور پر غربا اور مساکین اور بیوگان پردہ نشین کی خبر گیری زیادہ مرغوب تھی، جو سائل علانیہ مانگتا تھا اس کو علانیہ بھی دیتے، مگر کوئی نقد ہو دو سے کم نہ ہوتا تھا، اگر کسی نے ماہانہ یا سالانہ مقرر کرنا چاہا تو منظور نہ فرمایا، سوائے خالق کے اور کسی کا بار احسان اٹھانا پسند خاطر نہ تھا۔ لالہ بانکے رائے وکیل میرٹھ خادم الفقراء تھا اور میر اعظم علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا اس نے کچھ نقد بطور ششماہی یا سالانہ مقرر کر رکھا تھا، جب میر صاحب کا انتقال ہوا اس نے خدمت میں عرض کیا کہ جو کچھ میر صاحب کو دیا تھا وہ اب آپ کو دیا کروں گا، آپ نے فرمایا کہ میر صاحب عیال دار تھے۔

گن سروپ بل درب کو پریت کرے سب کوئی
تلسی پریت سرائے انتی باہر ہوئے
گنگ تجو کاسنی تجو سبن کا ینہہ
مان بڑا ایرکھا تلسی در لب کوئے

ایک دفعہ راجہ راج گڑھ نے جو پہلے ہندو تھا پھر مسلمان ہوگیا ڈھائی ہزار روپیہ بطریق نذر خدمت میں بھیجا، کوئی تو بولا کہ آپ زمین خرید لیجئے کسی نے کہا مکان بنا لیجئے، اپنی اپنی رائے سب نے دی، ارشاد ہوا ہم نے ساری عمر نہ کبھی مکان بنایا نہ بناویں گے۔

درویش ہر کجا کہ شب آمد سرائے اوست

دتاترو نے جو نامی فقیر ہندوؤں میں ہوگیا ہے اس نے منجملہ چوبیس گروؤں کے ایک گرو اپنا سانپ بنایا تھا، سانپ اپنے واسطے گھر نہیں بناتا، جہاں اس کو بنا بنایا مل جاتا ہے اس میں گھس جاتا ہے، ایسا ہی ہم نے بھی اپنا شیوہ رکھا ہے، اور چیل کو بھی دتاترہ نے اپنا گرو بنایا تھا، اس کا خواص ہے کہ جب گوشت اس کے پنجوں میں ہوتا اور کوے اس کو دق کرتے ہیں تو وہ اس کو چھوڑ کر الگ جا بیٹھتی ہے، اسی طرح ہم بھی اس روپیہ کو ہاتھ لگانا یا اپنے پاس رکھنا نہیں چاہتے، کووں کی طرح لوگ ہم کو دق کریں گے، چنانچہ اس روپیہ کو ہاتھ نہ لگایا اور تقسیم کرا دیا۔ رنگین لباس کبھی نہ پہنا، سفید پوشی پسند تھی، اور لباس کے بارہ میں یوں بھی فرمایا کرتے تھے کہ عمدہ یا غیر عمدہ لباس کا مقید ہونا نہ چاہئے۔

ہر جگہ دعوت کھانے کو پسند نہیں فرماتے تھے، شاذ و نادر کسی کی دعوت قبول ہوتی تھی۔ علائق اور عوائق دنیوی سے بے غم اور آزاد تھے بموجب قول ابوبکر الدورقی قدس سرہ "علامة القرب الانقطاع عن كل شیء سوا الله"۔

ایک بار باقر شاہ صاحب نے عرض کیا کہ اس مدت العمر میں کسی عورت یا مرد یا شہر یا مکان یا باغ وغیرہ پر آپ کی

طبیعت مائل ہوئی یا نہیں؟ فرمایا، جب سے ہم نے ہوش پکڑا ہے تب سے سوائے ذات پاک حق کے ہمارا دل کسی پر نہیں آیا، جب تک جہاں جی چاہا رہے جب چاہا چل دئے۔ باقر شاہ صاحب نے کہا کہ یہی باعث آپ کی سیاحی کا ہے، اگر دل کہیں پھنس جاتا تو وہیں قیام ہوجاتا۔

ایک دفعہ ایک بزرگ سداسہاگ والے حجرہ کے دروازہ پر ایستادہ ہوکر دعا دینے لگے کہ خدا آپ کا سداسہاگ قائم رکھے، آپ نے فرمایا کہ یہ عورت کے واسطے ہے، طالب مولیٰ مذکر ہے، پھر فرمایا کہ ہم نے جب سے ہوش سنبھالا ایک بار بنارس میں کسی قدر ایک مجازی بو دو چار روز آئی تھی سو وہ بھی ناگوار ہوئی۔

حقہ، پان، تمباکو سب علتوں سے احتراز تھا، سوائے دووقتہ طعام کے اور کوئی چیز مطبوع نہ تھی، اس میں بھی لذیذ، عزیز کی قید نہ تھی، کبھی کوئی چیز فرمائش کرکے نہیں پکوائی، جو مقدر نے کھلایا وہی کھالیا۔ ایک روز طعام تناول فرمارہے تھے چٹائی پر قدرے گرپڑا، اس کو اٹھا کر کھالیا، ایک شخص کے دل میں اس بات کو دیکھ کر کراہت پیدا ہوئی، فرمایا کہ اگر ہم کوڑے ہیں تو کوڑے میں کوڑا مل گیا، اور اگر ہم دریا ہیں تو دریا ناپاک نہیں ہوسکتا، حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، عارف وہ ہے کہ کوئی مشرب اس کو تیرہ نہ کرے اور ہر کدورت اس سے صاف ہوجائے۔

وضع ظاہری مشائخانہ یا فقیرانہ نہ تھی، جبہ، عمامہ کا شوق نہ تھا۔ سفر اور حضر میں رات کو کسی کو اپنے پاس نہ رکھا، شب کا کھانا ہمیشہ عشا کے بعد کھایا۔ تصنیف وتالیف کا کچھ شوق نہ تھا۔ ایک بار منشی فضل رسول صاحب نے عرض کیا کہ قبلہ وکعبہ آپ بھی کوئی کتاب بنظر افادہ ویادگار تصنیف یا تالیف فرمائیے، ارشاد ہوا، لکھنے والے بہت کچھ لکھ گئے ہیں، لکھی ہوئی بات کا لکھنا فضول ہے، اور اگر کسی پر کوئی بات اور منکشف ہو اس کا لکھنا سوائے مطعونی کے کیا نتیجہ دے گا۔ علم سینہ کو علم سفینہ میں لانا مناسب نہیں۔

بے نام ونشاں رہنے دو بس نام یہی ہے ❁ بے خود مجھے چھوڑو مرا آرام یہی ہے

ہزاروں طرح کے حالات بزرگان دین پر منکشف ہوتے ہیں، جو ایک پر منکشف ہوتے ہیں وہ دوسرے پر نہیں، اور جو دوسرے پر وہ تیسرے پر نہیں ہوتے، اسی سبب سے بزرگان دین کے بیانات مختلف ہیں، اور ایک کا حال دوسرے کے فہم وادراک میں نہیں آتا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر کا اتفاق صحبت ہوا، ایک جانور آیا اور سمندر میں سے ایک قطرہ پانی کا چونچ میں لایا، خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میرا اور تمہارا اور کل انبیاء اور اولیاء اور کل مخلوق کا علم علم الہی کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسا سمندر میں سے یہ جانور ایک قطرہ لایا ہے، ایسا ہی حال ہر بزرگ کی بینائی اور شنوائی اور گویائی باطن کا ہے، یکساں نہیں ہوتی۔

جب موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر تجلی ہوئی بینائی دیدہ ظاہری کی حضرت کی اس قدر تیز ہوگئی کہ چالیس کوس سے پائے مورچہ آپ کو نظر آتے تھے، جب دیدہ ظاہری کا یہ حال تھا تو باطن کا کیا ٹھکانہ ہے۔ ایک روز ایک شخص خدمت میں حاضر تھا کچھ اشعار

آپ پڑھ رہے تھے، وہ لکھنے لگا اور کہنے لگا کہ میں نے سب کتابیں اپنی تلف کر دی ہیں، یہ اشعار ایک پارۂ کاغذ پر لکھتا ہوں، ارشاد ہوا۔

سینہ را از یادحق گلزار کن ۞ صد کتاب وصد ورق در نار کن

اس شعر کو سنتے ہی اس نے وہ کاغذ چاک کر کے پھینک دیا اور ایک کتاب تصوف بھی اس کے پاس تھی، اس کو بھی چاک کر ڈالا، جب آپ کو کتاب چاک کرنے کا حال معلوم ہوا، فرمایا کہ اس شعر کا مطلب اس کی سمجھ میں نہ آیا، اول سینہ کو یادحق سے گلزار کرنا چاہیے تھا، اس کے بعد اگر کتاب چاک کرتا تو مضائقہ نہ تھا۔

پیر طریقت بننے یا مرید کرنے کا ابتدا سے شوق نہ تھا، بلکہ یہ خیال تھا کہ یاد بود میں شبانہ روز مستغرق رہیں، یا ایسا حال وارد ہو کہ ادھر سے بے خبر اور ادھر سے باخبر ہو جائیں اور اس طرف کا مطلق خیال نہ رہے۔

جب تک حکم قطب ارشادی اور پیر طریقتی کا صادر نہ ہوا تب تک فقط باعتبار اجازت ظاہری آپ کو سلسلہ بیعت کا جاری فرمانا دل پسند نہ ہوا، ہر چند کہ جا بجا زن و مرد خواستگار بیعت کے ہوتے رہے مگر آپ انکار فرماتے رہے، جب از طرف حق حکم ہدایت اور تعلیم و تلقین کا نافذ ہوا تب آپ نے سلسلہ بیعت جاری فرمایا، تحمل اور بردباری، ثبات واستقامت آپ کا حصہ تھا۔

فیضا نامی ایک نابینا آپ کے حجرہ کے قریب پیشاب کیا کرتا تھا، کبھی اس کو منع نہ فرمایا، اور نہ کبھی اس کے اس حرکت ناشائستہ سے رنجیدہ خاطر ہوئے بلکہ اس کی خاطر تواضع کرتے رہے۔ ایک دن پیر جی محمد یعقوب علی نے جو اس کو پیشاب کرتے دیکھا تو ان کو اسی وقت غصہ آیا، اس کو زجر و توبیخ کرنے لگے، فرمایا کہ یہ آنکھوں سے معذور ہے، خدا تعالیٰ اس کو بینائی عطا فرمائے۔ پیر جی کا غصہ فرو ہو گیا، اسی عرصہ میں ایک کحال آگیا اور آپ نے اس کو روپیہ دے کر اس کا علاج کرایا، بینا ہو گیا۔

خدا ترسی اور رحم دلی کی یہ کیفیت تھی، اپنی خواہش اور ارادہ سے کسی جانور، چرند یا پرند کو اپنے واسطے ذبح نہیں کراتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے خود ذبح کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ مکان خواب گاہ میں ایک بچۂ سگ بند ہو گیا، آپ قفل لگا کر چلے گئے، وہ گھبرا کر جو کوٹھے پر چڑھ کر کودا تو اس کے دونوں پاؤں میں ایسی ضرب لگی کہ بیکار ہو گئی، جب آپ کو خبر ہوئی آپ نے اس کے پاؤں کو باندھا اور علاج کیا، وہ اچھا ہوا اور عرصہ تک زندہ رہا۔ جب بہ مقام بابری تشریف رکھتے تھے طفلان صغیر سن کے لئے موسم گرما میں اپنے ہاتھ سے پانی کوئیں سے کھینچ کر لاتے تھے، اور بچوں کو اپنے ہاتھ سے غسل دیتے تھے۔ ایک دفعہ میر اعظم علی شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ آپ کیا کرتے ہیں، فرمایا کہ یہ بھی ایک قدرت کا تماشہ ہے۔

ہر ایک شخص سے ایسے اخلاق سے پیش آتے تھے کہ جس سے ہر شخص کو ناز تھا کہ میرے سوا دوسرے پر مہربان نہیں، مگر یہاں دل میں سوائے وحدہ لاشریک کے کسی کا دھیان نہ تھا۔

جا کے جا سے لگن ہے، واہی وا کا رام
روم روم میں بس رہیو، نہیں اور سے کام

ایک دفعہ منشی فضل رسول صاحب نے عرض کیا کہ میرے دل میں ایک ایسی نفرت مخلوق کی طرف سے پیدا ہوگئی ہے کہ کسی سے ملنے رلنے کو دل نہیں چاہتا، فرمایا کہ ہمارا بھی حال ایسا ہی ہے، مگر ہر قرینہ کے آدمی سے ملنا لابد ہے، جس مرتبہ کا جو آدمی ہو اس سے مل لیا کرو، پر عشق ومحبت طالب کو خاص خدا ہی کے ساتھ رکھنا چاہئے۔

سیر وجود دیدۂ بینا ایسی تھی کہ جس کو ایک بار دیدۂ باطن سے دیکھ لیا اس کی ابتدا اور انتہا کی کیفیت جیسی کچھ تھی اس سے ظاہر ہوگئی ویسا ہی اس کے ساتھ برتاؤ رکھا۔ جو دولت اور مال کا طالب تھا اس کو زر ومال سے شاد کیا، جو تحفہ کا خواہاں تھا ان کو تحفہ تحائف سے مسرور فرمایا، اور جو لوگ خاص طالب حق تھے ان کو راہ حق بتلایا اور از راہ باطن حاضر، غائب ان پر توجہ اور التفات فرمائی لیکن اکثر ان کو دور رکھا تا کہ ان کے دل میں زیادہ محبت پیدا ہو۔ زر غبا تزدد حبا۔ کیوں کہ ہر وقت کی نزدیکی اور قربت رہنے سے محبت جاتی رہتی ہے۔ اور ادب اور تعظیم بھی دل میں کم ہوتا ہے، اور جن کو خدمت سے دور رکھتے تھے ان کی نسبت فرمایا کرتے تھے۔

دوران باخبر در حضور

ونزدیکان بے بصر دور

جلوۂ دیدار جاناں روز وشب در خاطر است ❁ گر بصورت غائب است الا بمعنی حاضر است

حضرت سلطان نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی طریقہ تھا، خادمان دور ماندگان کی نسبت یوں فرمایا کرتے تھے:

بیروں ز درون بہ کہ درون بیروں

راضی بہ رضا اور شاکر بہ قضا تھے۔ بقول غوث الثقلین من كان فى حالة من الاحوال مع ملازمة الشرع ولم يمكن ما فوقها ولا تحتها ولا زوا لها ولا بقاؤها فقد حصل له شرط الرضا والموافقة والعبودية.

استقامت کا یہ حال تھا کہ جو شیوہ، طریقہ ابتدا سے اختیار کیا یا جس کسی کے ساتھ جو راہ ورسم رلت ملت جس طرح پر شروع کی حاضر غائب، نزدیک دور آخر تک اس کو اسی طرح نباہا۔ ذکر شغل اور درود ووظائف جو بزرگان دین سے آپ کو پہنچے ان کو بسر گرمی تمام سالہائے دراز تک کرتے رہے، اور ترک نہ فرمایا۔ ابتدا سے راہ توحید پر ایسے مستقل ہوئے کہ تا دم آخر اس پر قائم اور پختہ رہے، گو صدہا طرح کے بزرگوں سے ملے مگر اس میں سر مو فرق نہ آیا بلکہ روز بروز استقلال افزوں ہوتا گیا، استقامت راہ خدا میں عجیب دولت ہے۔

ہندو مسلمان، سالک، مجذوب، کافر مومن، متقی زاہد، اہل فن، اہل کمال، جاہل ناقص سب سے ملے مگر کسی کو اپنے مزاج پر حاوی نہ ہونے دیا۔ پابندی شریعت اور طاعت وعبادت شبانہ روزی میں سر مو فرق نہ آیا۔ اپنے طریقہ اور وضع کی محبت رہی۔ عوام الناس کے فائدہ کے لئے نقش وتعویذ دیتے رہے، کسی کو ورد کسی کو دعا مدعا کے لئے بتلائے۔ اٹھارہ برس چند ماہ پانی پت میں قیام کیا، مہمانوں کے لئے خلیل تھے، کوئی دن ایسا نہ تھا کہ صادر و وارد چار پانچ آپ کے یہاں نہ ہوتے تھے۔ جو لوگ دور سے کسی مدعائے دینی یا دنیوی کے واسطے خدمت میں حاضر ہوتے تھے نہایت خلق اور محبت اور خوشی کے ساتھ

ان کے حال کے پرسان ہوتے تھے، اور جب تک کوئی رہے اس کو ٹھہراتے تھے، کبھی تنگ وکبیدہ نہ ہوتے تھے، اور جب کوئی نزدیک یا دور سے چل کر آتا تھا اور یہ کہتا کہ میری حاضری اور عرض معروض سے آپ کا کچھ حرج اوقات نہ ہو تو یہ جواب اس کے ارشاد فرماتے کہ آپ بھی تو اپنا حرج اوقات کر کے یہاں تشریف لائے ہیں۔ جس شخص کے ساتھ ذرا سی شناسائی تھی اس کے ساتھ تمام عمر مروت سے نباہے، بلکہ ان کی اولاد اور متوسلین کے ساتھ وہ مربیانہ الطاف فرمائے کہ سبحان اللہ، اور بایں ہمہ بے تعلقی اور آزادی ایسے ملے کہ اللہ اللہ۔ امیر غریب، حاکم محکوم سب سے دن رات کا معاملہ ایک صورت پر تھا، نہ کسی کی زیادہ تعظیم تکریم تھی نہ تحقیر۔

سماع کا بالکل شوق نہ تھا، نہ کبھی مجلس سماع کرتے تھے نہ کبھی سنتے تھے۔ فرماتے تھے کہ سماع اہل صفا کے واسطے حظ روح ہے مگر حظ سے خالی نہیں۔ کبھی وجد بھی نہیں ہوتا تھا، اور طریقہ قادریہ میں وجد بھی نہیں ہے۔ اکابران سماع دوست پر اعتراض نہیں فرماتے تھے۔ عرس کسی بزرگ کا نہیں کرتے تھے نہ کرنے والوں کو منع فرماتے تھے، نہ کسی کو اپنی طرف سے کرنے کی تحریک کرتے تھے۔ مشائخ زمانہ کے موافق مریدوں کو سامنے بٹھانا، آنکھیں بند کرنا، حلقہ کرنا، توجہ دینا آپ کا شیوہ نہ تھا، بلکہ یوں فرمایا کرتے تھے کہ شیخ کا باطن سے متوجہ ہونا دور اور نزدیک کے واسطے یک رنگ ہے۔ یہ کوئی ضرورت نہیں شکل اور برزخ بنا کر توجہ دی جائے، صرف خیال دلی کافی ہوتا ہے، چنانچہ بارہا ایسا ہوتا تھا کہ گفتگو اور کلام فرما رہے ہیں اور بہت سے آدمی حاضر ہیں، اور ان میں سے گفتگو کرتے کرتے جس کی طرف آپ ذرا خیال فرماتے تھے خاص اسی پر اثر فیضان ایسا ہوتا تھا کہ وہ بے خود ہو جایا کرتا تھا۔ شیخ کی ذات مثل دکان عطار کے ہے، جو آئے گا مشام معطر ہوگا، اور جب وہ خیال فرمائے گا دور و نزدیک والے فیض یاب ہوں گے۔

مشائخ طریقت کے طور پر سامنے بٹھا کر توجہ نہ دینے کا باعث یہ بھی تھا توجہ بڑی قوی تھی، متحمل ہونا دشوار تھا، ایک دفعہ ایک طالب علم کو اپنے سامنے بٹھا کر ذرا سی دیر توجہ دی تھی اس توجہ کے دینے سے جو کچھ اس پر گذرا تھا لائق تحریر نہیں۔ ایک دفعہ ایک شخص نے خدمت میں حاضر ہو کر بار بار اصرار کیا کہ مجھے آپ توجہ اتحادی دیجئے، از راہ انکسار فرمایا کہ ہم اس لائق نہیں ہیں، توجہ اتحادی دینے کے واسطے بڑی لیاقت چاہئے اور لینے کے واسطے بھی بڑا ظرف اور حوصلہ چاہئے، حضرت خواجہ باقی باللہ صاحب نے جو نانوائی کو توجہ دی تھی اور صورت اس کی بعینہ خواجہ صاحب کی سی ہوگئی تھی، تیسرے دن مر گیا، اس توجہ کا کیا لطف ہوا، اس شخص نے نہ مانا اور اصرار کرتا رہا، فرمایا، اچھا اٹھو اور مبارز خاں صاحب کی مسجد میں چلو، اتنا سنتے ہی وہ شخص بے خود ہو گیا، اور حجرے میں بیٹھا ہی رہ گیا، فرمایا کہ اسی ظرف اور حوصلہ پر توجہ اتحادی لینا چاہتے ہو،؟ ''حلوہ خوردن را روئے باشد''۔ بار بار فرماتے تھے کہ مشائخان طریقت لطائف ستہ سے توجہ دیتے ہیں، کاملین کے نزدیک سارا جسم ایک لطیفہ ہے، اعلیٰ درجہ کی توجہ یہ ہے کہ تمام وجود سے طالب کی طرف متوجہ ہو، ایسی توجہ کے دینے والے اور لینے والے دونوں کم ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک بزرگ نے اس بات پر بہت اصرار کیا کہ آپ مجھے توجہ دیجئے، آپ نے سمجھایا کہ میاں راہ خدا میں جس کو ہونا، نہ ہونا کہتے ہیں وہ فضل سے متعلق ہے، توجہ سے کیا ہوگا، اس نے نہ مانا، فرمایا کہ تم ہم کو یہ لکھ دو کہ اگر متحمل نہ ہوئے اور ہلاک ہو گئے تو ہم سے

مؤاخذہ نہ ہو، تب وہ خاموش ہو رہا۔ فرماتے تھے کہ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کی توجہ ایسی تھی کہ جیسے وجود میں صور پھونک دیا، ایک دفعہ کی توجہ کافی ہو جاتی تھی۔ اور حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ ایسی قوی تھی کہ قبل از دینے توجہ کے چند ظروف گلی خام منگا کر اس کے اوپر نظر ڈالتے تھے، اس کے بعد طالبوں کی طرف توجہ اور التفات فرماتے تھے۔

ایک دن موضع بابری میں منشی فضل رسول صاحب سے توجہ کا ذکر فرما رہے تھے، ذکر کرتے کرتے اتفاقیہ زبان مبارک سے یہ بات نکل گئی کہ جیسے توجہ عام مشائخ دیتے ہیں اس قسم کی توجہ تو اگر سو دو سو آدمی ہوں ان کو ذرا سی دیر میں دی جا سکتی ہے۔ جس وقت خاص اوقات میں عرفان ربانی اور دقائق وجدانی اور حقائق سبحانی کا دریا جوش مارتا تھا عام انسان اور خدام تو درکنار جاہل اور ناقص بھی ایسے کامیاب ہوتے تھے کہ اس کیف کا لطف اور اس لطف کا کیف ان کی طبیعت سے نہ جاتا تھا۔ عالی ظرفی ووالاہمتی، بلند حوصلگی، ذی استعدادی کا یہ حال تھا کہ باوجودے کہ بہت بزرگوں سے آپ کو فیض وفائدہ حاصل ہوا اور اکثر اولیاء اور انبیاء سے کہ جو اس جہان فانی سے رحلت فرمائے عالم جاودانی ہو گئے ہیں فیض یاب ہوئے اور مجاہدہ اور ریاضت بھی بے حد مثل بعض بزرگان متقدمین کیا، ہزاروں کوس طلب ذات میں تنہا پیادہ پا پھرے، صدہا مزارات پر گئے، ذکر شغل، دعا، ثنا طریقۂ اسلام اور ہنود کے کئے۔ زمانہ طفلی سے تادم اخیر اسی میں مصروف اور مشغول رہے، مگر ایسے سمندر نوش تھے اور ایسا آپ کا ہاضمہ اس راہ میں تھا کہ سب طرح کے سلوک فیضان سالک ومجذوب کو ہضم کرتے چلے گئے، اور کسی طرح کا حال ظاہری میں تغیر واقع نہ ہوا۔ تمام عمر سلوک میں رہے، اگر چہ ظاہر اور باطن کا سب کچھ کمال تھا، اور سب کچھ دیکھا بھالا مگر اکثر یوں فرماتے تھے:

آں چہ دیدیم دریں باغ ندیدن بہ بود
ہر گلے تازہ کہ چیدیم نہ چیدن بہ بود
ہر قبائے کہ خریدیم باوقات عزیز
بود اگر یوسف مصری نہ خریدن بہ بود

جس طالب میں مادہ ذات پرستی وتوحید کامل سے معلوم فرماتے تھے اس کو وقت بیعت ''التوحید اسقاط الاضافات'' اور تطہیر القلب ماسوا اللہ سمجھاتے تھے، اور اسم ذات اور نفی اثبات کے سوا کچھ تعلیم نہ کرتے تھے، ارشاد ہوتا تھا کہ باتباع شریعت غرا رذائل اعمال سے بچو، سلوک کو بجد وجہد وریاضت وطاعت طے کرو، رفتہ رفتہ خیالات ماسوی اللہ مٹاؤ تا کہ توحید حاصل ہو۔ بعض کو آیات توحیدی پڑھوا کر ذکر وشغل کی اجازت دیتے تھے، جس طالب کو ناتواں اور ضعیف البدن دیکھتے تھے اس کو فقط نظری فیوضات سے مشرف کرتے تھے، چنانچہ محمد اسماعیل صاحب برادر خورد محمد عبد الحکیم صاحب جس وقت بیعت سے مشرف ہوئے بسبب ضعف وناتوانی ان کو ذکر وشغل کچھ آپ نے نہ کیا، اور فیض نظری سے مشرف فرمایا، نہ تصور اپنا کسی طالب توحید کی بتایا نہ کوئی ذوق انگیز شغل کی تعلیم فرمائی، ہاں جن کا مادہ قابل تصور پایا ان کو بتایا۔ آپ کی تعلیم باغبان تجربہ کار کی سی آبیاری تھی، بعض کو

بلا مجاہدہ و ریاضت سیر عالم ملکوت و جبروت اس آسانی سے کروائی کہ عقل نہیں کام کرتی تھی، اور جب کسی کو جذبات سکر کی صورت پیش آئی، آفاقیہ توجہ ایسی دی کہ معا حالت درست ہوگئی، اگر کسی طالب نے اپنی خواہش سے کچھ تعلیم چاہی اس کو رمز و کنایہ سے اس کی لیاقت جتادی۔ اگر سمجھ گیا بہتر ورنہ وہ پیش آیا جس سے پھر اس کی تمنا نہ کرسکا۔

عظمت اللہ خاں نامی باشندہ میرٹھ پہلے طریقہ نقشبندیہ میں شاہ احمد سعید صاحب دہلوی کے مرید تھے اور مولوی نیاز علی صاحب کی خدمت میں بھی کبھی کبھی آتے تھے، جب آپ کی خدمت میں پہنچے قادریہ سلسلہ میں مرید ہوئے، پنج سورہ آپ نے پڑھنے کو بتایا، انہوں نے التماس کیا کہ راہ توحید کی مجھے تعلیم فرمائیے، فرمایا استخارہ کرو، استخارہ کیا تو معلوم ہوا مولوی نیاز علی صاحب کا انتقال ہوگیا اور حضرت قبلہ نفی اثبات تعلیم فرماتے ہیں، صبح کو یہ خواب عرض کیا، ارشاد ہوا کہ ۳۰ یا ۳۵ دفعہ نفی اثبات کرو، چند روز کرتے رہے، جب انہوں نے اجازت سے زیادہ نفی اثبات کرنا شروع کیا خورد و نوش میں فرق آگیا، حالت بگڑنے لگی، پھر خدمت میں آپ کے عرض کیا، ارشاد ہوا مت کرو، پھر کبھی نہ کرسکے۔ دوسرے بزرگ کے مرید کو حتی الوسع یکا یک مرید نہیں فرماتے تھے، سالہا سال کے جمے ہوئے رنگ کا مٹانا اور دوسرا رنگ چڑھانا خالی از دقت نہیں ہوتا، جب مشغولی حق سے فرصت ملے تب اس میں اپنے اوقات صرف کرے۔ اگر کسی نے حد سے زیادہ اصرار کیا ہو تو آپ نے ناچار ہو کر مرید کرلیا، پھر جس رنگ کا ہوتا تھا اسی طریقہ اور اسی پرتو سے فیض یاب فرماتے رہتے تھے، اور اسی قسم کے درود، وظائف، شغل اشغال اس کو تعلیم فرماتے تھے، اکثر فیض یابان خاندان چشتیہ و نقشبندیہ خدمت میں مستفیض ہوئے، کبھی ان کو سوائے ان کے طریق کے اور کوئی تعلیم آپ نے نہ فرمائی اور کسی خادم یا مرید کو سوائے دوست یا آشنا کے اپنا مرید نہیں فرماتے تھے۔

ایک دفعہ منشی فضل رسول صاحب نے خدمت میں عرض کیا کہ آپ کو خدائے تعالیٰ نے بڑا جامع کمال اور عالی ظرف اور ذی استعداد پیدا کیا کہ باوجود حصول کمالات گوناں گوں آپ کے ظاہری حال میں کچھ فرق نہ آیا، فرمایا کہ جیسے ہمارے حال میں تغیر واقع نہیں ہوا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ ویسا ہی تیرا حال بھی رہے گا، یعنی تو بھی سلوک میں رہے گا۔ پھر فرمایا کہ جیسے شراب پینے کا لطف اور کیف اور سرور اس حالت میں پینے والے کو ہوتا ہے کہ جب اس کے ہوش و حواس قائم رہیں ویسا ہی فقر کی راہ کا حال ہے، جو شخص شراب ایسی پیتا ہے کہ بالکل مدہوش اور بے خود ہوجاتا ہے اس کو شراب نوشی کا کچھ لطف حاصل نہیں ہوتا ہے، اور تکمیل بھی اس راہ کی حالت سلوک میں قرار واقعی ہوتی ہے۔ اگر قبل از تکمیل کسی پر غلبۂ حال ہوجائے تو اس کی تکمیل میں ایک گونہ نقص ہوجاتا ہے۔ جن بزرگان پر بعد تکمیل کے غلبہ استغراق اور فنا کا ہوا ہے وہ لوگ اس راہ میں یکتائے روزگار ہوئے ہیں، استغراق اور فنائے ذاتی جو مقصد اعلیٰ اور انتہا اس راہ کا ہے وہ آپ کو حق نے ایسا عطا فرمایا تھا کہ شاذ و نادر کسی کو نصیب ہوا ہوگا، یہ موہبت الٰہی ہے، خود اختیاری نہیں۔

گفتگو اور کلام کرتے کرتے جس وقت موج فنا آتی تھی حس و حرکت اور گفتگو، کلام سب موقوف ہوجاتا تھا، حاضران خدمت

سب خاموش بیٹھے رہتے تھے۔جب بحر ناپیدا کنار استغراق اور فنا سے مثل غواص کے باہر آتے تھے پھر بدستور اچھی طرح ہوش وحواس کے ساتھ گفتگو اور کلام فرمانے لگتے تھے،اور حالت فنا اور استغراق برسوں سے آپ پر وارد تھی،اور تادم اخیر وارد رہی۔ ایام بیماری میں بباعث ضعف ونحافت اور بھی اس کا زیادہ غلبہ ہوگیا تھا،خواب بیداری آپ پر برابر تھی،اس حالت میں جملہ صفات سالک کی صفات حق میں محو ہو جاتی ہیں،جیسے عامہ خلائق خواب میں سودائے سود وزیاں سے امن میں ہوتے ہیں، عارف کامل بیداری میں وسواس ماسوی اللہ سے فارغ ہوتا ہے۔

نسبت جذب بھی آپ کو بزرگوں سے پہنچی تھی،گاہ گاہ اس کا بھی اثر ہوتا تھا،بباعث ضابط ہونے کے ہر ایک کو اس نسبت کے وارد ہونے کی تمیز نہیں ہوتی تھی، ایسی حالت میں خادم خاص کا خدمت میں حاضر ہونا پسند نہیں فرماتے تھے، اس حالت کی نظر سے اس کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے،اس وجہ سے اگر اتفاقا ایسی حالت میں نظر طالب پر پڑ گئی اور فیض نظری کا متحمل نہ ہوا اور دفعتا جذبہ غالب ہوگیا تو طالب خراب ہوجائے گا،اور مرتبۂ تکمیل کو نہ پہنچے گا،اور راہ سلوک میں خلل پڑ جائے گا، بوقت وصال بھی اس کا بہت لحاظ رکھا۔ایک نسبت جدی خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے بھی آپ کو تھی،ابتدا میں مرتبہ فنافی الرسول آپ کو حاصل ہو چکا تھا،مگر بباعث غلبہ فنافی الذات زیادہ تر ذات کی طرف رجحان رہا،اور جو کچھ معاملہ جناب سرور کائنات ﷺ اور خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ عاشق صادق رسول مقبول کے ساتھ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دیگر اصحاب کبار کے ساتھ اور نیز حصول فیضان روحی کا دیگر اکابران کا تھا وہ لائق تحریر اور تقریر نہیں ہے۔فرمایا کرتے تھے کہ جو کچھ فیض فائدہ روحی کسی نبی یا ولی سے حاصل ہو یا جو کچھ فیض وفائدہ ان بزرگان دین سے حاصل ہو جو بقید حیات ہیں سب کو حاصل کرے اور نہ چھوڑے،مگر ذات نبوی ہی کی طرف لگا رہے،اور سب کو منسوب بذات کرے۔آپ خطہ ہندوستان میں قطب ارشاد تھے،جو بزرگ سالک یا مجذوب نزدیک یا دور ہندوستان میں اہل باطن تھے از راہ باطن اس کو آپ کے قطب ارشاد ہونے کا علم تھا،اور کمالات باطنی میں فرد الافراد اور توحید میں لاثانی،یگانۂ آفاق،عارف بے باک تھے۔اور من جملہ کمالات دیگر مرتبہ غوثیت یعنی جدا ہو جانا اعضا کا جو مشہور ہے یہ بھی آپ کو حاصل تھا،ایک دفعہ ایک شخص نے اتفاقیہ بوقت شب اس حالت کو دیکھ لیا تھا،اس کو آپ نے منع فرما دیا تھا،اس کے بعد جب تک وہ زندہ رہا رات کو جس وقت حجرہ کی طرف دیکھتا تھا اس کو کچھ نظر نہیں آتا تھا۔

خواجہ بہاری رحمۃ اللہ علیہ کے حال میں لکھا ہے کہ خواجہ بہاری ایک دفعہ شیخ محمد فاضل کے گھر میں جا کر رہے،اہلیہ محمد فاضل کا نسہ آش خواجہ بہاری کے واسطہ لے گئی،جب حجرہ کے دروازہ پر پہنچی،دیکھا کہ خواجہ کے اعضاء جدا جدا پڑے ہیں، کسی نے قتل کر ڈالا ہے،فریاد کرتی ہوئی شوہر کے پاس آئی،اور حال بیان کیا شوہر نے جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ خواجہ صحیح اور سلامت مراقبہ میں مصروف ہیں۔

مرتبہ طی الارض بھی آپ کو حاصل تھا،ہزاروں کوس کا سفر پیادہ پا تنہا طے کیا،اور کچھ گراں معلوم نہ ہوا،اس کا یہی باعث

تھا۔ دہلی پانی پت سے چالیس کوس ہے، ایک دفعہ آپ جمعہ کی نماز کے واسطے پانی پت سے دہلی عین بوقت نماز جمعہ تشریف لائے اور نماز پڑھ کر اسی وقت پانی پت کو واپس تشریف لے گئے، دہلی میں جنہوں نے دیکھا متعجب اور متحیر رہ گئے۔ مرتبہ جسم اکتسابیہ بھی حاصل تھا، چونکہ آپ عارف کامل مکمل تھے اور عبور آپ کا عالم بے رنگی میں تھا، اور جس کا عبور عالم بے رنگی میں ہوتا ہے وہ جس شکل اور صورت اور ہیئت میں متشکل ہونا چاہے ہوسکتا ہے، ایسا ہی آپ کا حال تھا۔

اور نسبت حضرت شاہ شرف الدین بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے آپ فرمایا کرتے تھے کہ قلندر صاحب جب چاہتے تھے شیر بن جایا کرتے تھے، ایک دفعہ جو آپ شیر بنے اور حضرت خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی قدس اللہ سرہ کو خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ شیر را بیشہ می باید اس روز سے آپ نے شہر پانی پت کو چھوڑ دیا اور شہر سے باہر کچھ فاصلہ پر ایک جگہ جا رہے، اور حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کو بھی یہ مرتبہ حاصل تھا۔

مکاشفہ ذاتی علم وآگہی باطن الہام، القا، کشف اسرارات الٰہی دیگر کمالات باطنی کا کچھ بیان نہیں ہوسکتا، اور وہ حالات اور کمالات لائق تحریر بھی نہیں۔ جب کبھی غلبہ حال ہوتا تھا اس وقت بیان حقائق اور دقائق اور رموزات توحید کا مثل شطحیات بھی زبان مبارک سے بے باکانہ ہوتا تھا۔ مگر اکثر اسرارات توحید سے بہ لحاظ ابتری یا کم فہمی یا تنگ ظرفی بعض طالبان کے پھر گریز فرماجاتے تھے، اور فرماتے تھے کہ جیسے دوئی از راہ گوش جا گزیں دلوں میں ہوئی ہے اسی طرح حالات اور کلمات توحید و وحدت سن سن کر خارج ہوگی۔

ایک دن منشی فضل رسول صاحب نے عرض کیا کہ شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیفات میں تحریر فرمایا ہے کہ ہم کو موت حیات کا غم نہیں رہا، خدا نے موت حیات سے آزاد کردیا ہے۔ فرمایا کہ شیخ عطار کا یہ فرمانا درست اور بجا ہے، خداوند کریم نے ہمارے او پر بھی ایسا ہی فضل فرمایا ہے، ہم کو بھی کچھ غم نہیں رہا۔

ترک تعلقات ظاہری کرا کے کسی کو جنگل یا تکیہ یا مسجد میں رہنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ راست گو، بے تکلف، بے باک تھے۔ ہنود میں سے اگر کوئی بنظر استفادہ وتعلیم آتا تھا اس کو بھی تعلیم فرماتے تھے، مگر اسی پیرایہ میں رکھتے تھے۔ ایک ہندو کو کمال عقیدہ اور محبت اور شوق پیدا ہوا، کہنے لگا، آپ مجھے مسلمان کرلیں، فرمایا گوشت کھانے اور ختنہ کرانے کو مسلمانی اور مومن ہونا سمجھتا ہے، کسی مولوی کے پاس چلا جاوہ تجھے مسلمان کرلے گا، اور جو دل سے خدا اور رسول پر ایمان اور یقین رکھتا ہے تو الاعمال بالنیات سمجھ لے۔ جس کو مسلمانی اور مومن ہونا کہتے ہیں وہ باوجود سیاحی وجہاں گردی وریاضت ومجاہدہ کے ہم کو بھی ہنوز حاصل نہیں ہوئی۔ فرمایا کرتے تھے گو ہم نے طریقہ توکل اختیار کیا یعنی واسطہ اوقات بسری کے کوئی طریقہ حصول معاش نہیں رکھا مگر اس سے خوش نہیں ہیں، ہمت والے وہی لوگ ہیں جو اپنی قوت بازو سے پیدا کرتے ہیں اور شیر کا خواص رکھتے ہیں، آپ بھی کھاتے ہیں، اوروں کو بھی کھلاتے ہیں۔ باوجودے کہ تراکیب دست غیب بہت معلوم تھیں، اکسیر بنانا بھی

جانتے تھے مگر اکسیر سے طلا یا نقرہ بنا کر اپنے صرف میں نہ لائے، نہ کبھی دست غیب پر تکیہ کیا۔

اوائل عمر میں ایک بزرگ آپ کے گھر آئے، اور چند روز رہے، ایک روز آپ کو۔

ای کریمی کہ از خزانہ غیب ❁ گبر وترسا وظیفہ خورداری

دوستان را کجا کنی محروم ❁ تو کہ بادشمناں نظر داری

کا پڑھنا دست غیب کے واسطے بتلایا، آپ نے کیا، روپیہ روز آنے لگا، جب یہ حال والدہ صاحبہ کو معلوم ہوا ان کو بھی آپ نے بتادیا، انہوں نے بھی کیا، ان کو بھی روپیہ آنے لگا، پھر والد نے کیا، ان کو پانچ روپے آئے، مگر والد صاحب نے فرمایا ہم پانچ روپیہ روز کے ملازم ہیں، اگر اس کو کریں گے نوکریوں کا سلسلہ جاتا رہے گا، یہ کہہ کر چھوڑ دیا، جب دادا صاحب کو خبر ہوئی فرمایا کہ رات کو کریما کے اول تین اشعار پڑھ کر اور مٹھی بند کر کے سو رہو، بموجب ارشاد کے رات کو اس کو پڑھا تو پانچ روپے آگئے، بعد اس کے دادا صاحب نے خفا ہو کر فرمایا کہ جس فقیر نے تم کو یہ عمل بتایا ہے وہ بڑا نادان تھا، اس کو چاہئے تھا کہ فقیری کی طرف لگاتا، نہ کہ دنیا کی طرف، اور آئندہ کے واسطے منع فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو، توکل رکھو، ہم بھی اس کو جانتے ہیں مگر اس ذریعہ سے اوقات بسری کرنا گویا خدا کو چھوڑ کر دست غیب پر بھروسا رکھنا ہے، اس روز سے آپ نے اس کو چھوڑ دیا۔

صدہا مرد و زن نے بیعت کی لیکن اپنی طرف سے کسی کو بیعت کرنے کی رغبت نہیں دلائی، جو شخص اپنے ارادہ اور خواہش سے ملتجی ہوتا تھا اس کو بیعت فرماتے تھے، اور ان میں سے بعضوں کو مہینوں اور برسوں کے بعد، اور بعض کو بلا توقف اسی وقت۔ لوگ دور سے اجازت حاضری خدمت بارادہ بیعت بذریعہ نیاز نامجات طلب کرتے تھے، ان کو یکا یک اجازت نہیں دیتے تھے، اور جواب دیتے تھے کہ اس نواح میں جو کوئی مشائخ ہو اس سے بیعت کرلو۔ ایک دفعہ ایک شخص نے ایک عریضہ بطلب اجازت حاضری خدمت بھیجا، جواباً تحریر فرمایا کہ جو جو کام دنیا کے مجھ سے لینے کا ارادہ ہے اول ان کی ایک فہرست بنا کر بھیج دو۔ اکثر عورات کو بھی بیعت فرمایا، ہر خادمہ کو بلقب مائی جی یاد فرماتے تھے، جو عورت بارادۂ بیعت حاضر خدمت ہوتی تھی بعض کو بیعت کرتے تھے بعض کو بیعت نہیں کرتے تھے۔ اور جو زن شوہر دار بلا ہمراہی شوہر یا بلا اجازت شوہر بارادۂ بیعت حاضر ہوتی تھی اس کو ہرگز بیعت نہیں فرماتے تھے۔

حلیہ مبارک :

جسم قوی توانا، قد طویل مناسب، اعضاء خوش ترکیب، جامہ زیب، فربہی، موزوں رنگ، سرخ وسفیدی آمیز، سر بزرگ، پیشانی وسیع وفراخ، ابرو کشادہ، بینی دراز باریک، چشم اوسط حیرت آنگیں، ریش متوسط شگفتہ، موبمو تابندہ، سینہ فراخ، انگشت دراز، زانو ساق کثرت نشست ذکر و مراقبہ سے سیاہی مائل، بلکہ تختہ سے زانو تک دونوں پاؤں پر ایک خط چوڑا سیاہ کھینچا ہوا، سر سے پا تک وجیہ، چہرہ مبارک نورانی۔

اوقات شبانہ روز :

نماز جماعت سے پڑھتے تھے، امامت کا شوق نہ تھا، مبارز خاںؒ کی مسجد میں جمعہ کے دن جب کوئی نماز پڑھانے والا نہیں ہوتا تھا، بہ ناچاری جمعہ کی نماز پڑھا دیتے تھے، خطبہ جو حفظ یاد تھا وہی پڑھتے تھے، بحالت بیماری وضعف وناتوانی جب اٹھنے بیٹھنے کی طاقت نہ رہی لیٹے لیٹے اشارات سے نماز ادا کرتے رہے۔ سوائے نماز کے طاعت عبادت حجرہ میں کرتے تھے، فرماتے تھے، بھوجن اور بھجن ایکنت اچھا ہوتا ہے۔

ایک دفعہ کمبل پوش نے جو ملامتیہ طریقہ کے تھے آپ سے از راہ ظرافت کہا کہ آپ کا زمین کا سونگھنا اور روضو کا کلھڑا نہ گیا، فرمایا ہم ہزاروں کوس پھرے، اور سالک اور مجذوب سب سے ملے، صدہا مزارات پر گئے، کوئی ایسا نہ ملا جو اس کو چھڑا دیتا، تم اگر ایسی طاقت قدرت رکھتے ہو، کچھ ایسی عنایت فرماؤ، غلبہ حال ہو جائے، یہ غم چھوٹ جائے۔ کمبل پوش خاموش رہے۔ چھ برس کی عمر میں سورہ یسین یاد کی تھی، نو برس کی عمر سے تہجد شروع کیا تھا، روز واپسیں تک ایسا نبھایا کہ کبھی ناغہ نہ کیا۔ ابتدا میں تیس ہزار دفعہ اسم ذات کا ورد تھا، اسی دفعہ سورہ یسین نفلوں میں پڑھتے تھے۔ صدہا طرح کے ذکر وشغل جو بزرگوں نے بتلائے ہمیشہ کرتے رہے، سفر حضر میں بجز ذکر فکر کوئی شوق نہ رہا، جس قدر مجاہدہ زیادہ کرتے تھے اسی قدر طلب اور زیادہ ہوتی چلی جاتی تھی، تادم آخر مجاہدہ اور طلب میں فرق نہ آیا۔

جب بابری میں قیام تھا پاس انفاس، ذکر ارہ، ذکر حاروب، حبس دم، شغل آفتابی وغیرہ کرتے رہتے تھے، عشاء کی نماز سے صبح تک چارزانو بیدار ایک جلسہ بیٹھے رہتے تھے، عشاء کے وضو سے صبح کی نماز سالہا ادا فرماتے۔ تین تین دن کا روزہ رکھتے تھے۔ روز ایک کانسہ آب اور ایک پاؤ آرد کی روٹی پر بسر تھی، عرصہ دراز تک یہی مجاہدہ رہا، اس زمانہ میں نہایت درجہ کی جسم پر لاغری تھی۔ طریقہ دھوتی یعنی علی الصباح بارہ گرہ کا پارچہ از راہ دہن نگلتے تھے، اس میں ایک ڈورا بندھا ہوتا تھا، پھر عرصہ کے بعد اس کو نکالتے تھے۔ چند روز بلغم آلود نکلا پھر خون آلود نکلا، جب بالکل صاف برآمد ہونے لگا اس کا استعمال چھوڑ دیا۔ صبح کی نماز کے بعد کپالی یعنی روح دماغ میں چڑھانے کا بھی طریقہ جاری رکھا۔ چاشت کے وقت تک تنہا خلوت میں بے حس وحرکت بیٹھے رہتے تھے۔ میر اعظم علی شاہ صاحبؒ نے سب کو منع فرما دیا تھا کہ چاشت تک کوئی خلوت میں نہ جایا کرے۔ ایک مرتبہ میر ناصر علی میر اعظم علی شاہ صاحبؒ کے برادر زادہ چلے گئے، آپ کو بے حس وحرکت پایا، میر صاحب قبلہ سے آکر حال کہا، آپ ان پر بہت خفا ہوئے، اس روز سے یہ عمل چھوڑ دیا۔

جب سے پانی پت میں رونق افروز ہوئے فجر کی سنت اول وقت ادا کر کے اکتالیس بار سورہ فاتحہ بسم اللہ کا میم الحمد کے لام سے وصل کر کے ہر بار معہ تسمیہ، اس کے بعد سورہ اخلاص انچاس بار مع تسمیہ، دعائے سریانی ایک بار، نو دو نہ نام ایک بار پڑھ کر مراقب بیٹھتے تھے۔ جماعت سے فرض ادا کر کے گیارہ بار آیت الکرسی، گیارہ بار کلمہ توحید، ستر بار اللھم اجرنی من

النار یا مجیر ،سورہ یٰسین ایک بار،سورہ دخان ایک بار،لا الہ الا اللہ الملك الحق المبین سو بار،سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم وبحمدہ ،استغفر اللہ سو بار،تسبیح فاطمہ بہ تعداد مقررہ ،دعائے مغنی ایک بار، آیات سورہ روم فسبحان اللہ حین تمسون سے تخرجون تک گیارہ بار،قصیدہ بردہ ایک بار،دعائے حزب البحر ایک بار، نماز اشراق دو رکعت ،نماز استخارہ دو رکعت پڑھ کر سورہ یوسف ایک بار،اسم یا ودود ہزار بار،شکر النہار دو رکعت ،بارہ رکعت نماز چاشت،اس کے بعد صلاۃ التسبیح ،بعدہ سو بار لا الہ الا ھو الحی القیوم،اس کے بعد ختم قادریہ یعنی جمعہ کو ہزار بار لاالہ الا اللہ الملك الحق المبین، شنبہ کو ہزار بار ایاك نعبد وایاك نستعین،یکشنبہ کو ہزار بار یا حی یاقیوم، دوشنبہ کو ہزار بار حسبی اللہ ونعم الوکیل ،سہ شنبہ کو ہزار بار یا غفور یا رحیم ، چہارشنبہ کو ہزار بار لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، پنج شنبہ کو ہزار بار یا ذا الجلا ل والا کرام ،مناجات حضرت علی کرم اللہ وجہہ، مناجات حضرت ابوبکر الصدیق ،ایک بار درود مستغاث، پنج گنج، طریقہ قادری بلا تعداد ،جس قدر ہو سکتا تھا پڑھ کر حجرہ کھولتے تھے، صلاۃ التسبیح کسی روز ناغہ بھی ہو جاتی تھی ،مگر اور سب اوراد کبھی قضا نہیں ہوتے تھے ۔

پھر معتقدین ومریدین وحاضرین جمع ہوتے تھے،تا دوپہر جلسہ عام تھا،اکثر مرد وعورت اطفال کو دم کرانے کے لئے لاتی تھیں ،بعض پانی دم کرا کے لے جاتے تھے،نقش وتعویذ بھی تقسیم ہوتے تھے،صادر ووارد کا استفسار حال ہوتا تھا،خطوط کے جواب لکھے جاتے تھے،جو کوئی خط سفارشی کسی کے نام کا لکھوانا چاہتا تھا لکھوا دیتے تھے ،سائل کے سوال کو رد نہیں فرماتے تھے،دل شکنی کسی کی روا نہیں رکھتے تھے،نقل وحکایات ،دقائق وحقائق ،لطائف وظرافت ،رمز وکنایت کا دریا بہتا تھا،قریب دوپہر طعام تناول فرمانے کے لئے دوسرے حجرہ میں تشریف لے جاتے تھے،حاضرین کو اجازت رخصت ہوتی تھی ،تنہا دوسرے حجرہ میں طعام تناول فرما کر حجرہ قیامی میں قیلولہ فرماتے تھے،ظہر کو اول وقت نماز پڑھ کر سو بار حسبی اللہ ونعم الوکیل ،سورہ انا فتحنا ایک بار، درود شریف بقدر ممکن ،ایک یا دو سپارہ قرآن مجید کی تلاوت کر کے دس رکعت نفل پڑھتے تھے ،ہر رکعت میں سورہ فاتحہ ،بعدہ سورہ اخلاص تین تین بار،اس کے بعد چار رکعت سنت عصر سورہ اخلاص سے بطور عروج نزول ، پھر سورہ رحمان پڑھ کر مبارز خاں رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں نماز عصر ادا فرماتے تھے ۔بعد نماز عصر دس بار کلمہ توحید ،سو بار سبحان اللہ وبحمدہ اسم ذات کی برزخ سے، اور ایک بار یا تین بار سورہ عم یتساءلون ،اور سات بار یا گیارہ بار چہل اسماء کا آخری اسم یا غیاثی ، پھر استغفار پڑھتے ہوئے بکمال شان ووجاہت حجرہ میں آتے تھے،تا مغرب جلسہ عام ہوتا تھا،مغرب کی نماز جماعت سے قلندر صاحب کی مسجد میں پڑھ کر ایک بار سجدہ میں نو دو نہ نام معہ آخر سورہ حشر گیارہ بار،کلمۂ توحید ستر بار،اللھم اجرنی من النار یا مجیر، دعائے اللھم حرق قلبی الخ سات بار،سورہ واقعہ ایک بار،مزمل تین بار پڑھ کر دو رکعت ہدیۂ رسول سورہ والضحیٰ اور الم نشرح سے، دو رکعت دوگانہ قادریہ سورہ اخلاص سے ،دو رکعت حفظ ایمانی ،سورہ سجدہ ایک بار، دعائے بشیخ ایک بار، کبریت احمر ایک بار، نماز اوابین کبھی

بیس رکعت، کبھی دس رکعت، دو رکعت شکر اللیل، سو بار هو اللطيف الخبير، پھر نماز عشاء جماعت سے پڑھ کر مسجد سے حجرہ میں تشریف لاتے تھے۔

اگر نماز مغرب کے بعد قلندر صاحب کے روضہ میں تشریف لے جاتے تو نوافل واوراد وہاں پڑھ کر عشا قلندر صاحب کی مسجد میں پڑھتے، مغرب کے بعد سورہ یسین، سورہ دخان، سورہ محمد، سورہ فتح، سورہ مدثر، اور کبھی سورہ ق کی منزل بھی پڑھ لیتے تھے، اور مناجات ابوبکر صدیق ومناجات زین العابدین بھی اکثر پڑھے جاتے تھے، عشاء کے بعد آپ کا ورد درود غوثیہ سو بار، سورہ ملک ایک بار تھا، اور قبل از وتر اللهم لا احصي ثناء عليك انت كما اثنيت على نفسك تین بار اور تین بار سبحان الله المقدر لمن يشاء بقدرته فعال لما يريد پڑھتے تھے۔

بعد عشاء خدام کے لئے خاص وقت تھا، جو آپ کے مرید وخادم دور نزدیک سے حاضر ہوتے تھے اور جن پر نظر عنایت خاص طور پر تھی وہ اس وقت کی کیفیت سے محظوظ ہوتے تھے، تعلیم بھی اس وقت کی خاص طرز اور خاص شان سے ہوتی تھی، دریائے رحمت ربانی، بحر فیوضات وجدانی اس وقت میں جوش وخروش اور مواج پر ہوتا تھا، جس نے اس وقت کی صحبت ایک دن بھی پائی اس کا بیڑا پار ہوا، اور بحر بے پایاں کے آب صافی سے سیراب بنا۔ گیارہ بجے تک یہ لطف رہتا تھا، پھر حجرہ بند فرماتے تھے، پھر دس رکعت نفل صلاۃ الحاجت سورہ اخلاص سے اور نفل کے بعد یہ اشعار مولانائے روم

اوست مر ہر بادشہ را بادشاہ ❁ حکم او را یفعل اللہ مایشاء

ہست سلطانی مسلم مر اورا ❁ نیست کس را زہرۂ چون وچرا

ہیچ کس در ملک او انباز نے ❁ قول او را لحن نے آواز نے

تا قیامت گر بگویم این کلام ❁ صد قیامت بگذرد واین نا تمام

پڑھتے ہوئے بستر پر استراحت فرماتے تھے، جس وقت بارہ بجے نماز تہجد کے لئے اٹھتے، اول وضو پھر تیمم کرتے کہ تیمم خاکساری کی دلیل ہے، کبھی بارہ رکعت، کبھی آٹھ، کبھی چار نماز تہجد سورہ یسین سے، کبھی مزمل سے، کبھی الم نشرح سے، کبھی سورہ یوسف سے، کبھی اور ترکیبات سے پڑھ کر چار رکعت صلاۃ العاشقین، دو رکعت صلاۃ الاسرار، دو رکعت صلاۃ الاولیاء پڑھ کر بطور طریقہ قادریہ نفی اثبات، واسم ذات وذکر علوی وشش غربی وحیدری جس کا بیان تعداد خالی طوالت سے نہیں تا فجر کرتے رہتے تھے۔

پہلے فجر کی نماز مبارز خاں صاحب کی مسجد میں پڑھ کر قلندر صاحب کے مقبرہ میں تشریف لے جاتے تھے، اشراق، چاشت عرصہ تک وہاں پڑھتے رہے، بعدہ حجرہ میں رہنا اختیار کیا تھا۔ جمعہ کی نماز پہلے مسجد جامع میں اور نماز عیدین عیدگاہ میں ادا ہوتی تھی، لیکن تھوڑے عرصہ سے مبارز خاں صاحب کی مسجد میں اور کبھی قلندر صاحب کی مسجد میں پڑھنے لگے تھے۔ ہر جمعہ کی نماز کے بعد سورہ کہف ایک بار، سورہ طٰہٰ ایک بار، سورہ سجدہ، سورہ دخان، سورہ یسین ہمیشہ ورد تھا۔ شب برأت کی

شب میں سورہ یسین تین بار، سورہ نور، سورہ سجدہ، سورہ دخان، سورہ معارج ایک ایک بار کبھی ترک نہیں فرمائی، سو رکعت ہمیشہ شب برأت کو سورہ اخلاص سے پڑھتے تھے، اور دو رکعت سورہ نور کی رکوع اللہ نور السموات سے۔ رمضان کی منہی عین شب قدر کی شیون میں سورہ روم، سورہ عنکبوت، ایک بار، اور سورہ یسین گیارہ بار ورد تھا، عاشورہ کے روز دس رکعت چاشت کے بعد اول میں آخر سورہ بقرہ، دوسری میں عم یتساءلون، تیسری میں سورہ والشمس تین بار، چوتھی میں سورہ واللیل تین بار، پانچویں میں والضحیٰ تین بار، چھٹی میں الم نشرح تین بار، ساتویں میں سورہ کافرون تین بار، آٹھویں میں سورہ اخلاص تین بار، نویں میں سورہ فلق تین بار، دسویں میں سورہ ناس تین بار۔ شب عاشورہ کو تہجد کے بعد نماز ہدیہ الشہداء دو رکعت، اول دویم میں بعد فاتحہ انا انزلناہ گیارہ بار اور اس کے بعد پانچ سو بار یہ درود پڑھتے تھے اللھم صل علی سید نا محمد وسید الشجاع علی المرتضیٰ والفاطمة خیر النساء، وحسن وحسین مجتبیٰ بحر الانھار. ہر ماہ نو کو دیکھ کر تین بار سورہ یسین پڑھنا اور نئے کپڑے پر تین بار انا انزلناہ دم کرنا شیوہ تھا۔

جب سیاحی اور جہاں گردی میں ایک مدت دراز صرف کر کے چندے بابری و چندے سونی پت میں قیام کر کے پانی پت تشریف لائے ایک حجرہ میں جو متصل حوض متعلقہ خانقاہ حضرت قلندر صاحب ہے قیام فرمایا، یہ حجرہ قدیمی بنا ہوا ہے، کوئی مکان جدید اپنے واسطے نہیں بنایا۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

برائے مضمون نگار حضرات

- مجلہ ''المجیب'' کیلئے جو بھی مضامین ارسال کریں وہ خالص المجیب کے لئے ہو تا کہ مجلے کا معیار برقرار رہ سکے۔
- مضامین کاغذ کے ایک طرف حاشیہ چھوڑ کر لکھے جائیں۔
- مضمون کے پہلے یا آخری صفحہ پر اپنا پورا نام و پتہ ضرور لکھیں۔
- مضامین بھیجتے وقت اس کی نقل اپنے پاس رکھیں۔ مضامین گم ہونے کی صورت میں ادارے پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی۔

سرکولیشن منیجر

ایک تفسیری مغالطہ اور اس کا ازالہ

● مولانا محمد شہزاد علی مجیبی ــــ استاذ دار العلوم مجیبیہ خانقاہ پھلواری شریف

سوشل میڈیا میں ایک پوسٹ وائرل ہوا جس میں مزارات پر چادر پوشی کرتے ہوئے کچھ لوگوں کی تصاویر ہیں جنہیں مشرکین کے زمرے میں شامل کر دیا گیا ہے، اور اس کی بنیاد سورۂ نحل کی ایک آیت کو قرار دیا ہے۔ ایک روز دوران درس ہمارے سرپرست ومربی سیدی وآقائی ابوالیمین جناب حضور الحاج مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری زینبی جعفری مدظلہ العالی نے بھی اس وائرل شدہ پوسٹ کو ملاحظہ فرمایا۔ آپ کے متعلقین ومنتسبین نے اس کا جواب طلب کیا تو آپ نے مستند ومعتمد روایات و تفاسیر کے حوالے سے جواب دینے کا ارادہ فرمایا لیکن مصروفیات کی وجہ سے آپ نے یہ کام میرے سپرد کیا اور فرمایا: کہ اس کا مدلل جواب لکھو! میں نے عرض کیا: تعمیل حکم ان شاء اللہ ضرور ہوگی اور خصوصی توجہ کی بھی درخواست کی، لہٰذا الامر فوق الادب کے تحت اس کے متعلق کچھ تحریر کرنے کی ناقص کوشش کی ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

وَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ ؕ۲۰ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ ۚ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ ۙ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ۲۱ ــ(النحل)

ترجمہ : اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا (غیروں) کی عبادت کرتے ہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں، وہ مردہ ہیں، زندہ نہیں ہیں، اور وہ سمجھتے نہیں ہیں کہ انہیں کب اٹھایا جائے گا۔

اس آیت کے متعلق اس پوسٹ میں تفسیر تفہیم القرآن مصنفہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے حوالے سے لکھا گیا ہے:

”یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ یہاں خاص طور پر جن بناوٹی معبودوں کی تردید کی جا رہی ہے وہ فرشتے، یا جن، یا شیاطین، یا لکڑی، پتھر کی مورتیاں نہیں ہیں، بلکہ اصحاب قبور ہیں اور آگے ” اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ “ کے تعلق سے یہ بھی لکھتے ہیں کہ اموات غیر احیاء سے مراد اصنام بت وغیرہ نہیں بلکہ انبیاء، شہداء، اور ان کے فوت شدہ اولیاء، صالحین اور دوسرے غیر معمولی انسان ہی ہیں، جن کو یہ لوگ اپنی حاجت روائی کے لئے پکارنا شروع کر دیتے ہیں ــ(تفہیم القرآن، جلد ۲، ص ۵۳۴، ۵۳۳)

مذکورہ بالا تفسیر سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ مولانا ابوالاعلی مودودی نے ان آیات سے کیا مراد لیا ہے، اور کیا مفہوم و مطلوب بیان کیا ہے، اور کن کن کو ان کا مصداق ٹھہرایا ہے، آئیے بجائے اس کے کہ ہم اپنی جانب سے کوئی تبصرہ کریں، اکابرین اسلام ومفسرین کرام کے حوالے سے مسئلہ کی وضاحت کرتے ہیں، تاکہ اصل مسئلہ منکشف ہو کر واضح ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ مفسرین کرام نے مذکورہ بالا آیات کریمہ کی کیا تفسیر وتصریح کی ہے۔

عن قتادة رضی الله عنه فی قوله تعالی (وَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ) الآیة، قال هذه الاوثان التی تعبد من دون الله اموات لا ارواح فیها ولاتملك لاهلهاخیرا ولا نفعا –(الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، امام جلال الدین سیوطی رحمة الله علیه جلد۹، ص۲۷)

ترجمہ : حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالی کے اس قول: (وَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ) کے تحت روایت کیا ہے کہ وہ بت جن کی اللہ تعالی کے سوا عبادت کی جاتی ہے، وہ مردہ ہیں، ان میں روحیں نہیں ہیں، اور اپنے ماننے والوں کے نہ نفع کے مالک ہیں نہ خیر پہنچانے کے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

و قوله: (وَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ لَا یَخۡلُقُوۡنَ شَیۡئًا وَّ ہُمۡ یُخۡلَقُوۡنَ) یقول تعالی: ذکرہ، واوثانکم الذین تدعون من دون الله، ایها الناس! آلهة لا تخلق شیئا وهی تخلق فکیف یکون إلها ما کان مصنوعامدبرا، لا تملك لأ نفسها نفعا ولا ضرا –(جامع البیان عن تاویل آی القرآن المعروف به تفسیر الطبری، جلد۱۴، ص۱۹۶)

ترجمہ : اللہ تعالی ذکر فرماتا ہے: اور تمہارے وہ بت جن کی تم اللہ تعالی کے سوا عبادت کرتے ہو اے لوگو! یہ معبود کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے یہ خود پیدا کیے گئے ہیں، تو جو خود بنایا ہوا ہو، اور اپنے لئے بھی کسی نفع اور ضرر کا مالک نہ ہو وہ کیسے معبود ہو سکتا ہے؟

امام علی بن محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تفسیر خازن میں فرماتے ہیں:

والمعنی لو کانت هذه الاصنام آلهة کما تزعمون لکانت احیاء غیر جائز علیها الموت لأن الاله الذی یستحق ان یعبد هو الحی الذی لا یموت وهذه اموات غیر احیاء فلا تستحق العبادة –(تفسیر خازن، جلد۳، ص۱۱۸)

ترجمہ: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر یہ بت معبود ہوتے جیسا کہ تمہارا گمان ہے، تو یہ ضرور زندہ ہوتے، انہیں کبھی موت نہ آتی، کیونکہ جو معبود عبادت کا مستحق ہے وہ ہمیشہ سے زندہ ہے، اور اسے کبھی موت نہ آئے گی، اور بت چونکہ مردہ ہیں زندہ نہیں ہیں لہذا یہ عبادت کے مستحق نہیں۔

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی شافعی لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالی نے اصنام (بتوں) کی کئی صفات ذکر فرمائی ہیں:

الصفة الاولی: انہم لا یخلقون شیئا وھم مخلوقون۔

الصفة الثانیة: قوله: (اَمۡوَاتٌ غَیۡرُ اَحۡیَآءٍ)، والمعنی انھا لو کانت الٰھة علی الحقیقة لکانوا احیاء غیراموات ای غیرجائزعلیھاالموت کالحی الذی لا یموت سبحانه وتعالی وامر ھذہ الاصنام علی العکس من ذلك۔

الصفة الثالثة: قوله: (وَ مَا یَشۡعُرُوۡنَ ۙ اَیَّانَ یُبۡعَثُوۡنَ) والضمیرفی قوله: (وَ مَا یَشۡعُرُوۡنَ) عائد الی الاصنام، یعنی ان ھذہ الاصنام لاتعرف متی یبعثھا۔

ترجمہ : (۱) وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کرسکتے وہ خود بنائے ہوئے ہیں۔

(۲) وہ مردہ ہیں زندہ نہیں ہیں، اس کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ فی الحقیقت معبود ہوتے تو زندہ ہوتے مردہ نہ ہوتے حالانکہ ان اصنام (بتوں) کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔

(۳) (وَ مَا یَشۡعُرُوۡنَ ۙ اَیَّانَ یُبۡعَثُوۡنَ) وَ مَا یَشۡعُرُوۡنَ کی ضمیر اصنام کی طرف لوٹتی ہے یعنی یہ بت نہیں جانتے کہ ان کو کس وقت اٹھایا جائے گا — (تفسیر رازی المعروف بہ تفسیر الکبیر جلد ۷، ص ۱۹۵، ۱۹۶)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی لکھتے ہیں:

"اَمۡوَاتٌ غَیۡرُ اَحۡیَآءٍ" یعنی الاصنام لاارواح فیھاولاتسمع ولاتبصر ای ھی جمادات فکیف تعبدونھاوانتم افضل منھابالحیات۔

(وَ مَا یَشۡعُرُوۡنَ) والمعنی لا یدرون متی یبعثون و عبر عنھا کما عبرعن الادمیین لانھم زعموا انھاتعقل عنھم وتعلم وتشفع عند اللہ تعالی فجری خطابھم علی ذلك وقد قیل ان اللہ یبعث الاصنام یوم القیامة ولھا أرواح فتتبرا من عباداتھم وھی فی الدنیا جماد لا تعلم متی تبعث — (تفسیرالقرطبی، سورۃ النحل، از آیت ۲۱)

ترجمہ : "اَمۡوَاتٌ غَیۡرُ اَحۡیَآءٍ" سے مراد اصنام بت ہیں، ان میں روحیں نہیں ہیں، اور نہ وہ سنتے ہیں، نہ وہ دیکھتے ہیں، یعنی وہ جمادات ہیں پھر تم کیسے ان کی عبادت کرتے ہو؟ جبکہ تم زندہ ہونے کی بنا پر ان سے افضل ہو۔

(وَ مَا یَشۡعُرُوۡنَ) اس کا معنی یہ ہے کہ یہ بت نہیں جانتے کہ ان کو کب اٹھایا جائے گا، ان کو آدمیوں کے صیغہ سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ کافروں کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ عقل اور علم رکھتے ہیں، اور اللہ کے پاس ان کی شفاعت کریں گے تو ان کے عقیدہ کے اعتبار سے خطاب فرمایا اور ایک تفسیر یہ ہے کہ قیامت کے دن ان بتوں کو اٹھایا جائے گا، ان کے ساتھ ان کی روحیں ہوں گی، اور وہ کافروں کی عبادت سے بیزاری کا اظہار کریں گے، اور دنیا میں یہ بت جماد ہیں، یہ نہیں جانتے کہ ان کو کب اٹھایا جائے گا؟

علامہ ابوالبرکات عبداللہ ابواحمد بن محمود نسفی اپنی تفسیر مدارک میں تحریر فرماتے ہیں:

(اَمۡوَاتٌ غَیۡرُ اَحۡیَآءٍ ۚ وَ مَا یَشۡعُرُوۡنَ ۙ اَیَّانَ یُبۡعَثُوۡنَ) نفی عنہم خصائص الالھیة بنفی کونہم خالقین واحیاء لا یموتون عالمین بوقت البعث ومعنی (اَمۡوَاتٌ غَیۡرُ اَحۡیَآءٍ) انہم لو کانوا آلھة علی الحقیقة لکانوا احیاء غیر اموات ای غیر جائز علیه الموت وامرھم بالعکس من ذلك والضمیر فی (یُبۡعَثُوۡنَ) للداعین ای لا یشعرون متی تبعث عبدتہم وفیه تہکم بالمشرکین وان آلھتہم لا یعلمون بوقت بعثہم فکیف یکون لہم وقت جزاء اعمالہم منہم علی عبادتہم وفیه دلالة علی انه لابد من البعث۔(تفسیر المدارك از سورة النحل آیت ۲۱)

ترجمہ: (وہ بے جان ہیں زندہ نہیں ہیں اور ان کو شعور نہیں ہے کہ کب ان کو اٹھایا جائے گا) اس آیت میں ان سے الوہیت کے خصائص کی نفی ہے، اس طرح سے کہ وہ خالق نہیں ہیں، اور وہ ایسی زندگی نہیں رکھتے کہ جس پر موت وارد ہو، اسی طرح وقت بعث کا ان کو علم نہیں اور ''اَمۡوَاتٌ غَیۡرُ اَحۡیَآءٍ'' کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ فی الحقیقت معبود ہوتے تو وہ ہمیشہ زندہ رہتے موت کا شکار نہ ہوتے یعنی موت کی آمد ان پر ہو ہی نہیں سکتی حالانکہ ان کا معاملہ اس کے برعکس ہے اور ''یُبۡعَثُوۡنَ'' کی ضمیر داعین کی طرف لوٹتی ہے یعنی ان کو شعور نہیں ہے کہ ان کے پجاری کب اٹھائے جائیں گے اس میں مشرکین کو شرمندہ کیا گیا ہے کہ تمہارے معبودوں کو وقت بعث کا بھی علم نہیں، پھر وہ اپنی عبادت پر عابدین کو کیا بدلہ دے سکیں گے؟

بہرکیف! مذکورہ بالا تمام تفاسیر سے یہ بات تو واضح ہوگئی کہ جس آیت کو پیش کرکے بعض لوگ اولیاء اور صالحین کو مراد لیتے ہیں اور ان کے مزارات پر جانے والے مسلمانوں کو مشرک قرار دیتے ہیں، در اصل ان کی تفسیر وتوضیح مفسرین متقدمین کے نظریے کے خلاف ہے کیونکہ جمہور مفسرین کے مطابق ان سے مراد کفار اور ان کے معبودان باطل ہیں، انبیاء وصالحین نہیں، مفسرین کرام کے مراد ومنشا کے برخلاف ان آیات کا مصداق انبیاء وصالحین کو ٹھہرانا بدترین اختراع ہے، کیونکہ انبیاء وصالحین ان بتوں کی طرح بے جان وبے حس نہیں ہیں، بلکہ وہ مرنے کے بعد بھی زندہ ہوتے ہیں۔ انبیاء واولیاء تو زندہ ہوتے ہی ہیں، مرنے کے بعد مومنین بلکہ عام انسانوں کی حیات بھی نصوص قرآنی سے ثابت ہے۔

انبیاء، اولیاء، شہداء اور صالحین کی حیات کا ثبوت:

ارشاد خداوندی ہے:

وَ لَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ یُّقۡتَلُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتٌ ؕ بَلۡ اَحۡیَآءٌ وَّ لٰکِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۵۴﴾۔(سورۂ بقرہ)

ترجمہ: جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں ہے۔

یہ آیت کریمہ شہداء کے حق میں نازل ہوئی، بعض لوگ شہداء کی شہادت پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہتے تھے کہ وہ لوگ شہید ہو کر ہر طرح کی نعمتوں سے محروم ہو گئے، تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ انہوں نے فانی زندگی اللہ کی راہ میں قربان کرکے دائمی زندگی حاصل کرلی۔ (تفسیر خازن جلد ۱، ص ۱۰۳)

اس آیت میں شہداء کو مردہ کہنے سے منع کیا گیا ہے، نہ زبان سے انہیں مردہ کہنے کی اجازت ہے، نہ دل میں انہیں مردہ سمجھنے کی اجازت ہے، جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمان باری تعالی ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ –(سورۂ آل عمران)

ترجمہ : اور جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے ہیں ہرگز انہیں مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے۔

موت کے بعد اللہ رب العزت ان کو زندگی عطا فرماتا ہے، ان کی ارواح پر رزق پیش کیا جاتا ہے، انہیں راحتیں دی جاتی ہیں، ان کے عمل جاری رہتے ہیں، اور ان کا اجر وثواب بڑھتا رہتا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے بدن میں جنت کی سیر کرتی ہیں، اور وہاں کے میوے اور نعمتیں کھاتی ہیں۔ (صراط الجنان فی تفسیر القران، از تفسیر سورہ بقرہ آیت ۱۵۴)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يؤتى بالرجل من اهل الجنة فيقول الله عز وجل يا ابن ادم كيف وجدت منزلك فيقول اى رب خير منزل فيقول سل وتمن فيقول اسالك ان تردنى الى الدنيا فاقتل فى سبيل الله عشر مرات لما يرى من فضل الشهادة –(نسائى، كتاب الجهاد، ما يتمنى اهل الجنه جلد ثانى، ص،۵۱)

ترجمہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت میں سے ایک شخص کو لایا جائے گا تو اللہ عزوجل اس سے فرمائے گا: اے ابن آدم! تو نے اپنی منزل ومقام کیسا پایا؟ وہ عرض کرے گا: اے میرے رب بہت اچھی منزل ہے، اللہ تعالی فرمائے گا: تو مانگ اور کوئی تمنا کر! وہ عرض کرے گا: میں تجھ سے اتنا سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے دنیا کی طرف لوٹا دے اور میں دس مرتبہ تیری راہ میں شہید کیا جاؤں، (وہ سوال اس لئے کرے گا) کہ اس نے شہادت کی فضیلت ملاحظہ کر لی ہوگی۔

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ صرف شہید ہی ہے جو لوٹ کر دنیا میں آنا اور دوبارہ قتل ہو کر اللہ عزوجل کے پاس جانا پسند کرتا ہے، تاکہ اسے اپنی شہادت کی وجہ سے جو عزت ومرتبہ اور بلند مقام حاصل ہوا ہے، وہ دوبارہ کی شہادت سے اور بھی بڑھ جائے اور بلند ہو جائے۔

یہ بات تو قطعی اور یقینی ہے کہ شہداء زندہ ہیں، لیکن ان کی حیات کیسی ہے اس کا ہمیں شعور نہیں، اسی لئے ان پر شرعی احکام عام میت ہی کی طرح جاری ہوتے ہیں، جیسے قبر، دفن، تقسیم میراث، ان کی بیویوں کا عدت گزارنا، عدت کے بعد کسی دوسرے سے نکاح کر سکنا وغیرہ البتہ ان کی اخروی زندگی کیسی ہوتی ہے، کس طرح ان کی حیات کے تقاضے پورے ہوتے ہیں؟ اس کا علم اللہ تعالی کو ہے، ہمیں اس کا احساس وشعور نہیں دیا گیا ہے، جیسا کہ آگے اللہ تعالی نے فرمایا: ولكن لا تشعرون تمہیں ان کی حیات کا شعور نہیں ہے۔

مذکورہ دونوں آیتیں حیات الشہداء پر شاہد عدل ہیں اور یہ آیات مبارکہ حیات الشہداء پر بصراحت دلالت کرتی ہیں، تو معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام بھی اپنی قبروں میں بحیات ہیں، کیونکہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا درجہ شہداء سے کہیں ارفع واعلی ہے، لہذا انبیاء علیہم السلام کے لیے بطریق اولی حیات ثابت ہوگی، اور حضور سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو تمام انبیاء سے بھی بلند و بالا ہے، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ بھی ان آیات سے ثابت و متحقق ہوگی، رہے اولیاء کرام اور صالحین تو وہ بھی اپنی قبروں میں برزخی حیات کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں اسی وجہ سے ان کو ثواب قبر ہوتا ہے بلکہ برزخی حیات کے ساتھ تو کفار بھی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں جیسا کہ قرآن حکیم میں اس کی وضاحت وصراحت ملتی ہے رب تبارک وتعالی فرماتا ہے:

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَ اَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ⑪ —(سورۂ غافر)

ترجمہ: کفار کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو بار موت سے دو چار کیا، اور دو بار زندگی عطا فرمائی، پس ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا، کیا ہمارے لیے عذاب جہنم سے نجات پانے کا کوئی راستہ ہے؟

اس آیۂ کریمہ میں دو موتوں اور دو زندگیوں کا ذکر ہے، ایک موت کا تو دنیا میں مشاہدہ ہوتا رہتا ہے، اور دوسری موت قبر کی زندگی کے بعد تسلیم کرنی پڑے گی، تاکہ اس زندگی کے بعد حاصل ہونے والی موت دوسری موت بن سکے، کیونکہ حیات نہ مانیں تو پھر دوسری موت ممکن ہی نہیں۔

امام رازی رحمہ اللہ اس کی تصریح یوں کرتے ہیں:

اجتمع اکثر العلماء بھذہ الآیۃ فی اثبات عذاب القبر وتقریر الدلیل انھم اثبتوا لأنفسھم موتین حیث قالوا (رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ) فاحد الموتین مشاھد فی الدنیا فلا بد من اثبات حیوۃ اخری فی القبرحتی یصیرالموت الذی یحصل عقیبھا موتاثانیا وذلك یدل علی حصول حیوۃ فی القبر (تفسیر کبیر سورۂ غافر آیت،۱۱)

ترجمہ: اکثر علماء نے اس آیۂ کریمہ سے عذاب قبر کے اثبات پر استدلال کیا ہے۔ اور دلیل کی تقریر اس طرح ہے کہ ان کفار نے اپنی جانوں کیلئے دو موتیں ثابت کی ہیں۔ اس طرح کہ انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو دفعہ موت سے دو چار کیا ہے۔ ان دو موتوں میں سے ایک موت تو دنیا میں ہوتی ہے تو ضروری ہے کہ قبر میں دوسری حیات مانی جائے تاکہ وہ موت جو اس کی زندگی کے بعد حاصل ہو دوسری موت بن سکے اور یہ چیز قبر میں زندگی کے حصول پر دلالت کرتی ہے۔

حدیث پاک سے بھی اس کی تائید ملتی ہے:

بخاری شریف جلد اول کتاب الجنائز، باب ما جاء فی عذاب القبر میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال اطلع النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی اھل القلیب فقال وجدتم ما وعدکم ربکم حقا فقیل لہ تدعوا امواتا قال ما انتم باسمع منھم ولکن لا یجیبون۔(ص:۱۸۳)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ بدر کے کنویں میں پھینکے ہوئے مقتولین کفار پر جا کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: کیا تم نے اپنے رب کے وعدے کو سچ پالیا؟ تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کیا گیا آپ مردوں کو پکار رہے ہیں؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا: تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو لیکن وہ جواب نہیں دیتے (جو تم کو سنائی دے سکے)۔

اس حدیث شریف میں مقتولین کفار کا زندوں سے زیادہ قوت سماعت رکھنا اس بات کا ثبوت ہے کہ کفار اپنی قبروں میں برزخی حیات کے ساتھ زندہ ہیں، اور جب کافر ومشرک کے لیے حیات برزخی ثابت ہوگئی تو مومن بندوں کے لیے بدرجہ اولیٰ حیات برزخی ثابت ہوگی، چنانچہ قرآن مجید میں بطور خاص ایک مقام پر مومن کی فقط حیات ہی نہیں بلکہ حیات طیبہ (پاکیزہ زندگی) کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةًۚ وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝۹۷۔(سورۃ النحل)

ترجمہ: جس مرد یا عورت نے نیک عمل کیا اس حال میں کہ وہ مومن ہو تو ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ان کے اچھے اعمال کے عوض ہم انہیں ضرور اس سے بہتر اجر عطا کریں گے۔

یہاں (فَلَنُحْيِيَنَّهٗ) پر "فا" داخل ہے جو تعقیب مع الوصل کا تقاضا کرتی ہے (اور وہ پہلی چیز کے فورا بعد دوسری چیز کا پایا جانا ہے) تو یہاں ایمان اور عمل صالح کا ذکر کر کے فرمایا کہ ہم ان کو فورا پاکیزہ زندگی عطا کریں گے، ظاہر ہے کہ اس دنیا کی زندگی کے فورا بعد حیات برزخی ہوگی نہ کہ قیامت کے روز کی زندگی اور پھر اس آیۂ کریمہ میں کلام کو لام تاکید اور نون تاکید بلکہ نون ثقیلہ سے مؤکد لایا گیا ہے کہ ہم یقینا ضرور انہیں پاکیزہ زندگی عطا کریں گے—(حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۷۴)

بہر حال ان عبارات و اقتباسات اور تفصیلات سے معلوم ہو گیا کہ" وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ "سے اصحابِ قبور مراد نہیں بلکہ کفار اور ان کے جھوٹے معبود بت وغیرہ مراد ہیں لہذا انبیاء، اولیاء، شہداء اور صالحین کو" اموات غیر احیاء" کا مصداق قرار دینا باطل ہے "اموات غیر احیاء" کا مصداق صرف بت ہیں جن میں حیات کی کوئی رمق نہیں۔

❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊

گفتگو کے اسلامی آداب

● مولانا نورالحق رحمانی ـــ استاد المعہد العالی پھلواری شریف

انسانی معاشرے میں گفتگو کی ضرورت :

گفتگو اور بات چیت انسان کی فطری ضرورت ہے، دنیا کا کوئی کام بھی باہمی گفت وشنید کے بغیر انجام نہیں پاسکتا، معاملہ شخصی اورانفرادی ہویاقومی اور جماعتی، نجی محفل ہویا اجتماعی مجلس، کھیل کودکامیدان ہویاخرید وفروخت کی دوکان، سرکاری دفاتر ہوں یا کورٹ اور کچہری، وعظ وارشاد کی مجلس ہو یا تعلیم وتربیت کی درسگاہ، ہر جگہ اس کی بنیادی ضرورت اوراہمیت ہے، پھر بسااوقات گفتگو کے غلط انداز اورلب ولہجے کی شدت اورتلخی کی وجہ سے زندگی کے اکثر مسائل الجھ کررہ جاتے ہیں، اورآپس میں پھوٹ، نفاق، بغض وحسد اورنفرت وعداوت پیدا ہوجاتی ہے، جس سے افراد واشخاص اورملک وملت کوشدید نقصانات سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اسی اہمیت کے پیش نظر اسلام نے گفتگو کا خاص اہتمام کیا ہے، اوراس کے کچھ حدود، کچھ اصول وضوابط اورآداب مقرر کئے ہیں جنہیں اگر ملحوظ رکھا جائے اورگفتگو کے دوران ان کی رعایت کی جائے توگفتگو مفیداورنفع بخش ثابت ہوگی، دینی اور دنیاوی امور پراس کے خوش گوار اثرات مرتب ہوں گےاوروہ فائدہ اوراصلاح کے بجائے نقصان اورفساد کا ذریعہ نہ بننے پائے گی۔

یہ حقیقت ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہئے کہ گفتگو سے بڑی حد تک انسان کے مزاج اوراس کی طبیعت، فطرت وصلاحیت، فکروفہم اوراخلاق وکردار کا اندازہ ہوتا ہے، گفتگو انسان کے عیب وہنر، اس کی خوبی وخامی اورشرافت ورذالت کو جاننے اورپرکھنے کا اہم ذریعہ ہے، جس کی بنیاد پرلوگ کسی شخص کے بارے میں کوئی اچھی یابری رائے قائم کرسکتے ہیں، اس لئے اس بات کا پوراخیال رکھنا چاہئے کہ آپ کی باتوں سے لوگ اچھا اثر لیں۔

نرم گوئی اورخوش گفتاری کی اہمیت :

شگفتہ بیانی، نرم گوئی اورخوش گفتاری سے انسان کی شان اورقدرومنزلت میں اضافہ ہوتا ہے، لوگ اس کے بارے

میں اچھی رائے قائم کرتے ہیں اوراسے لوگوں کا اعتماد حاصل ہوتا ہے،لوگوں کا اس کے پاس بیٹھنے اوراس سے بات چیت کرنے کو جی چاہتا ہے، کیونکہ اس کی باتیں کانوں کو بھلی اوردلوں کو پسند آتی ہیں، اس لئے انسان کو چاہئے کہ ہمیشہ نرم لہجہ میں گفتگو کرے،اس کے کلام میں تلخی ،ترشی ،اورشدت نہ ہو،تاکہ مخاطب اس کے نرم انداز اورشریں کلامی سے محظوظ ہو،اس کے دل کو فرحت ومسرت ہو،مخاطب اگرغمزدہ ہے کسی پریشانی کا شکار ہے تووہ اپنی میٹھی باتوں سے اس کا غم دور کرے،اس کی پریشانیوں کا حل بتائے اوراس سے انس ومحبت اورمخلصانہ تعلق کا اظہار کرے، میٹھی باتوں سے دشمن دوست ہوجاتا ہے اورتلخ گوئی اور ترش کلامی اپنوں کو بیگانہ کردیتی ہے، دوستوں اورہم نشینوں کے دل میں نفرت وعداوت کے جذبات پیدا کرتی ہے، زندگی کا خواہ کتنا ہی دشوار اورپیچیدہ مسئلہ ہونرم گوئی اورشریں کلامی سے اسے حل کیا جاسکتا ہے،اورتلخ وتندلہجہ اختیار کرنے سے آسان سے آسان مسئلہ بھی الجھ کررہ جاتا ہے، خاص طورپر دعوت دین اورتبلیغ دین کا کام کرنے والوں کونرم گو اورنرم خو ہونا چاہئے، اور حکمت ودانائی اورعمدہ نصیحت کے ذریعہ لوگوں کو دین کی طرف متوجہ کرنا چاہئے، اللہ تعالی نے جب حضرت موسی اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کے دربارمیں اسے اپنا پیغام پہونچانے اورسیدھی راہ بتانے کے لئے بھیجا توانہیں حکم دیا: فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى. یعنی فرعون سے نرم لب ولہجہ میں گفتگو کریں اورنرم کلامی کے ساتھ اسے دین حق کی طرف بلائیں ۔شاید کہ اس پرآپ لوگوں کی بات کا اثر ہواوروہ بغاوت اورسرکشی کی روش چھوڑ کرراہ حق پرآجائے اور خدا سے ڈرے، اس واقعہ سے نصیحت حاصل کرنی چاہئے اوراپنی زندگی کا یہ اصول بنانا چاہئے کہ ہرشخص کے ساتھ نرمی سے گفتگو کریں،اورخاص طورپر وعظ ونصیحت کے موقع پرکوئی انسان خواہ کتنا ہی سرکش اوربدبخت ہووہ فرعون سے زیادہ برانہیں ہوسکتا اوراسلام کا کوئی داعی اورمبلغ اپنی قدرومنزلت اورعہدے اورمرتبے کے لحاظ سے خواہ کتنا ہی بلند ہووہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقام کونہیں پہونچ سکتا توجب اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک جلیل القدر پیغمبر کو اپنے سب سے بڑے دشمن کے ساتھ نرمی برتنے اورشیریں انداز سے دعوت دینے کا حکم دیا تواوروں کی کیا حیثیت؟اس لئے اسلام کے داعیوں کواس کا پورا خیال رکھنا چاہئے۔

گفتگو خواہ کسی لڑائی جھگڑے کے سلسلہ میں ہورہی ہو پھربھی آہستگی اورنرمی ہی اختیار کرنی چاہئے،خواہ فریق مخالف مسلم ہو یاغیرمسلم،اورشوروشغب اورتلخ کلامی سے پرہیز کرنا چاہئے، کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب دوستوں اورہم خیالوں سے بات کرتے ہیں توسنجیدگی اورنرمی سے اورجب کسی مخالف سے واسطہ پڑتا ہے توسختی اوربدکلامی سے پیش آتے ہیں یا کبھی اپنوں سے بھی کوئی اختلاف ونزاع ہوجائے توفورا بداخلاقی اوربدزبانی پراترآتے ہیں ،اورطعن وتشنیع کرنے لگتے ہیں، اوراحسان جتلاتے ہیں، یہ انتہائی بری عادت ہے،اورحدیث شریف میں اسے نفاق کی علامت قرار دیا گیا ہے، انسان کو چاہئے کہ سخت سے سخت لڑائی میں بھی سنجیدگی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے،اورنرمی اورآہستگی کوملحوظ رکھے، ایسے انسان کی دشمنوں کے دل میں بھی قدرہوتی ہے،اوربدگوئی سے پیش آنے والا اپنوں کی نظر سے بھی گرجاتا ہے، بات کا اثر انسان کے دل پر بہت گہرا پڑتا ہے،

یہ مار اور تلوار کے زخم سے زیادہ سخت اور دیر پا ہوتا ہے،کسی عربی شاعر نے بہت صحیح کہا ہے ؎

جراحات السنان لها التیام ❁ ولایلتام ماجرح اللسان

اور اسی مفہوم کو ایک شاعر نے اردو میں اس طرح ادا کیا ہے :

تبر کا، تیغ کا، تلوار کا تو زخم بھرا

لگا جو زخم زبان کا تو رہا ہرا کا ہرا

اس لئے انسان کو چاہئے کہ کسی سے لڑائی ہو تو بدزبانی اور بداخلاقی کا مظاہرہ نہ کرے، اپنی سخت اور دل خراش باتوں سے اس کے دل کو نہ دکھائے، اس کے قلب وجگر کو چھلنی نہ کرے، اور دشمنی کے زمانے میں اسے اتنی اذیت نہ پہونچائے کہ اس کا دل اس سے بالکل ہی بیزار ہو جائے اور وہ کبھی اس سے ملنے اور صلح کرنے کے لئے آمادہ نہ ہو، حتی کہ اس کے دیکھنے اور اس کا نام سننے سے بھی گریز کرے، یہ انتہائی بدبختی کی علامت ہے، ایسے لوگوں کے بارے میں احادیث پاک کے اندر بڑی سخت وعید آئی ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایسے لوگ میری نظر میں سب سے زیادہ مبغوض اور مجھ سے سب سے زیادہ دور رہیں گے۔

بچوں کے ساتھ بات چیت کا طریقہ :

بچوں کے ساتھ خاص طور پر نرمی اور پیار سے گفتگو کرنی چاہئے، اپنے بچوں کو ہمیشہ ڈانٹ ڈپٹ نہیں کرنا چاہئے، اس سے ان کی دل شکنی ہوتی ہے اور وہ پژمردہ اور غمگین رہتے ہیں، جب کہ انہیں خوش اور ہشاش وبشاش رہنا چاہئے، جو ماں باپ اپنے بچوں کو ہمیشہ پھٹکارتے اور ڈانٹتے ہیں، بات بات پر جھڑکتے ہیں وہ نفسیاتی لحاظ سے بہت غلط کرتے ہیں، بچوں کا دل چھوٹا اور کمزور ہوتا ہے، اس لئے غصے اور ڈانٹ کا ان پر برا اثر پڑتا ہے، اور ان کا دل ٹوٹ جاتا ہے، ایسے بچے بزدل اور کمزور ہو جاتے ہیں، آگے چل کر کوئی خاص ترقی نہیں کرسکتے، کسی سے آنکھ ملا کر گفتگو کرنے کی ہمت نہیں ہوتی، انہیں ہمیشہ ڈانٹ ڈپٹ اور بگڑنے کا خطرہ لگا رہتا ہے، اس لئے وہ زندگی کے میدان میں پیچھے رہ جاتے ہیں، ہمت اور بہادری ختم ہو جاتی ہے، اس لئے بچوں کے ساتھ خوش اخلاقی اور نرمی سے پیش آنا چاہئے۔

دل چسپ اور نصیحت آموز باتوں سے انہیں خوش کرنا چاہئے، ایک استاذ کو اپنے شاگردوں کے ساتھ بھی یہی اصول برتنا چاہئے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ بچوں کو ان کی غلطی پر بھی نہ ٹوکا جائے، اور انہیں بگڑنے کے لئے چھوڑ دیا جائے، نہیں! ٹوکا ضرور جائے مگر نرمی کے ساتھ، افہام وتفہیم کے انداز میں، اور اگر وہ اس حرکت سے باز نہ آئیں تو انہیں سزا بھی دی جاسکتی ہے، بقدر ضرورت مارا بھی جاسکتا ہے لیکن ''مارے، مار کے پھر چمکارے'' کے اصول پر عمل کرنا چاہئے، سزا دینے کے بعد پھر پیار کرنا چاہئے، ان کے آنسو پوچھنا چاہئے، اور پھر سینے سے لگانا چاہئے، اور انہیں سمجھانا چاہئے کہ دیکھو! تم نے یہ غلطی کی،

ایسی حرکت پھر نہیں کرنا، یہ بری بات ہے، اوراس سے فلاں فلاں نقصان ہوتا ہے، اچھے بچے ایسی غلطی نہیں کرتے، وغیرہ، ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی بچوں کے ساتھ نہایت نرمی اور پیار کے ساتھ گفتگو فرماتے اوران کے ساتھ شفقت ومحبت کا برتاؤ فرماتے تھے، اوران کا دل بہلاتے اورخوش کرنے کے لئے ان کے ساتھ تفریح فرماتے، اوردلچسپ اورعبرت آموز باتیں سناتے تھے، لہٰذا ان کے امتیوں کو بھی اپنے نبی کی سنت کو اپنانا چاہئے اوراسی اصول پر عمل پیرا ہونا چاہئے۔

دوسری اہم چیز یہ ہے کہ بچوں کے سامنے ہمیشہ اچھی بات بولنی چاہئے، بچے اپنے ماحول میں جیسی باتیں سنتے ہیں ان پراس کا ویسا ہی اثر پڑتا ہے، ان کا ذہن ودماغ سادہ تختی کے مانند ہوتا ہے، اس میں آپ جیسا رنگ بھر دیں اورجیسی باتیں ڈال دیں ویسا ہی نقش ہوجاتا ہے۔اوریہ نقش اتنا گہرا ہوتا ہے کہ زندگی بھر اس کا اثر قائم رہتا ہے، ہزار تربیت کے باوجود بھی یہ باتیں ذہن سے نہیں نکلتیں، اس لئے بچوں کے سامنے ہمیشہ اچھی، پسندیدہ اور بامقصد بات کرنی چاہئے، اس لئے پیغمبر ﷺ نے یہ حکم دیا کہ بچوں کو سب سے پہلے کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنا سکھانا چاہئے، بچوں کی طبیعت نقالی کی ہوتی ہے، وہ اپنے بڑوں سے جو کچھ سنتے ہیں طوطے کی طرح اسی کو دہراتے ہیں، اگر گالی گلوج اورفحش باتیں سنتے ہیں تو بے سمجھے بوجھے اسی کا اعادہ کرتے ہیں، اس لئے بڑوں کو اورخاص طور پر والدین کو بچوں کے سامنے پورے احتیاط کے ساتھ گفتگو کرنی چاہئے، اوراس کا پورا خیال رکھنا چاہئے کہ زبان سے کوئی بری بات نہیں نکلنے پائے، ان کے سامنے دینی باتیں اورخاص طور پر انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین کے واقعات ذکر کرنے چاہئیں، تاکہ بچپن سے ان کا دینی ذہن بنے اورآگے چل کروہ دین دار اورعبادت گزار بنیں اوردل ودماغ پر پاکیزہ نقش قائم ہو۔

گفتگو اجتماعی مفاد اورمعاشرے کی اصلاح کے لئے:

گفتگو ایسے مسائل سے متعلق کرنی چاہئے جن سے عوامی اوراجتماعی فائدہ ہو، کسی کی ذات کو موضوع سخن نہ بنانا چاہئے، الا یہ کہ اس کی کسی خاص خوبی، اچھے اوصاف وکردار اورعلمی، دینی یا انسانی خدمت کا تذکرہ ہو، اس میں کوئی قباحت نہیں، بلکہ یہ چیز تو پسندیدہ اورمطلوب ہے کہ ایک بھائی اپنے دوسرے بھائی کے بارے میں اس کے پیٹھ پیچھے نیک جذبات اوراچھے خیالات کا اظہار کرے، اس سے دوسروں کے اندر بھی اس کی خوبیوں کو اپنانے اورعمل کرنے کا شوق پیدا ہوگا، اوریہ چیز عوامی مفاد کے حق میں بہتر ہے، گفتگو عوام اورمعاشرے کے مسائل اورمشکلات سے متعلق بھی ہو، تاکہ باہمی غوروفکر اورتبادلہ خیال کے ذریعہ ان مسائل اوردشواریوں کا حل تلاش کیا جاسکے۔

اسی طرح گفتگو آپس کے پھوٹ اورتفرقے کو دور کرنے اورٹوٹے ہوئے دلوں کو ملانے کے لئے ہو، قرآن وحدیث کے اندر ''اصلاح ذات البین''، یعنی لوگوں کے درمیان میل ملاپ کرانے پر بہت زور دیا گیا ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے ''وَاَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَيۡنِكُمۡ''، تم آپس میں ایک دوسرے کے درمیان صلح کراؤ، سورہ نساء میں ''اصلاح بین الناس'' کا تذکرہ

کرنے کے بعد ارشاد ہوا ’’وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ‘‘یعنی جو شخص خدائے تعالیٰ کی خوشنودی کی غرض سے لوگوں کے درمیان اصلاح کا کام کرے گا، اسے ہم اجرعظیم سے نوازیں گے۔

حدیث پاک کے اندر آتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین سے مخاطب ہوکر فرمایا: کیا میں تمہیں ایسا عمل بتلاؤں جو روزہ نماز اور صدقے سے افضل ہے، صحابہ کرام نے عرض کیا: ہاں اے اللہ کے رسول! آپ نے ارشاد فرمایا: وہ آپس میں صلح کرانا ہے، اس لئے معاشرے کے لوگوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ اگر دو آدمیوں یا دو جماعتوں یا دو خاندانوں کے درمیان لڑائی اور نا چاقی ہو جائے تو وہ ان کے درمیان جلد از جلد صلح کرانے کی کوشش کریں، مسلمانوں کی اور ایک دینی معاشرے کی یہی علامت ہے کہ مل جل کر رہیں، اگر سماج میں کسی قسم کا اختلاف ہو تو اسے جلد دور کریں اور آپس میں مصالحت کرانے کی کوشش کریں۔

گفتگو میں مقام ومرتبے کی رعایت :

گفتگو ہر شخص کے ساتھ اس کے مقام ومرتبے اور حیثیت کے مطابق ہونی چاہئے، ماں باپ اساتذہ، علماء کرام، بزرگان دین، اہل علم اور تمام بڑوں کے ساتھ ادب واحترام کے دائرے میں رہ کر گفتگو کرنی چاہئے، ان کے مقام اور آداب کا پورا خیال رکھنا چاہئے، گفتگو کے دوران ان سے زیادہ بے تکلف ہونا اور ان سے دوستوں اور ساتھیوں کی طرح بات چیت کرنا درست نہیں، ان کے القاب وآداب کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے اور اس کی پوری کوشش کرنی چاہئے کہ بڑوں کے ساتھ گفتگو کرنے میں کوئی گستاخی اور بدتمیزی پیش نہ آئے، ان کے سامنے نرمی اور آہستگی کے ساتھ بولنا چاہئے، ان سے چیخ چیخ کر باتیں کرنا، غلط انداز میں بحث ومباحثہ کرنا، اپنی آواز کو ان کے آواز پر بلند کرنا صحیح نہیں، یہ بے ادبی اور گستاخی کی علامت ہے، اور بے ادب خدا کے فضل سے محروم اور لوگوں کی نظر میں ذلیل ہوتا ہے، صحابہؓ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کو اللہ تعالیٰ نے یہ ادب سکھایا کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پست آواز میں گفتگو کریں اور اپنی آواز کو ان کی آواز پر بلند نہ کریں، چنانچہ سورہ حجرات میں ارشاد ہے۔يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝۲ ـــ (الحجرات)

علماء ومفسرین نے اس سے یہ اصول بھی اخذ کیا ہے کہ اپنے سے زیادہ بلند مرتبہ کے لوگوں کے سامنے بھی زیادہ بلند آواز سے بات نہیں کرنی چاہئے۔

اسی طرح بڑوں کے سامنے کم بولنا چاہئے اور انہیں اظہار خیال کا زیادہ موقع دینا چاہئے، کیونکہ ان کی نظر وسیع ہے اور ان کے تجربات سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہئے، گویا ان سے گفتگو کچھ لینے اور استفادہ کرنے کی خاطر ہو اور استفادہ کرنے والا خود کم بولتا ہے، اور بڑوں کی زیادہ سنتا ہے۔

اسی طرح اپنے چھوٹوں اور عزیزوں کے ساتھ گفتگو کرنے میں بھی اپنی حیثیت اور مرتبے کا خیال رکھنا چاہئے جس سے پیار اور شفقت ومحبت ظاہر ہو، اور باتیں وہ ہوں جن سے انہیں فائدہ پہونچے، ان کی معلومات میں اضافہ ہو، اور وہ اس سے عبرت اور نصیحت حاصل کریں، اسی طرح حکمت و دانائی کے ساتھ انہیں ان کی خامیوں کی طرف متوجہ کرنا بھی مفید ہے، بشرطیکہ وہ اس کے انداز سے سبکی اور ذلت محسوس نہ کریں، یہ اصول ہمیشہ پیش نظر رہے کہ نصیحت اور تنبیہ میں اشارے اور کنایہ کی زبان زیادہ مفید اور موثر ہوتی ہے۔

ہر شخص کے ساتھ اس کے مناسب حال گفتگو :

گفتگو میں مخاطب کے حال کی رعایت کرنا اور اس کی علمی صلاحیت کو مدنظر رکھنا بھی ضروری ہے، ناخواندہ، ان پڑھ اور عام لوگوں کے ساتھ ان کے مناسب حال گفتگو ہونی چاہئے، ان کے سامنے باریک مسائل اور دقیق علمی اور فلسفیانہ مباحث کو چھیڑنا لغو اور لاحاصل کام ہے، ان کے سامنے عام دینی باتیں، روزمرہ کے مسائل، باہمی معاشرت، رہن سہن اور آپس کے میل جول کے آداب واصول رکھے جائیں، آپس کے حقوق، باہمی لین دین اور اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق بتلائے جائیں، اور ان کے کاروبار اور پیشے سے متعلق مفید مشورہ دیا جائے، اور ان سے آسان اور عام فہم زبان میں بات چیت کی جائے اور ایسے الفاظ، تعبیرات اور علمی اصطلاحات کے استعمال سے پرہیز کیا جائے جنہیں وہ پوری طرح نہ سمجھ سکیں، کچھ لوگ عوام الناس کے سامنے بھی اپنی علمی قابلیت کا اظہار کرنا ضروری سمجھتے ہیں، وہ سوچتے ہیں کہ بھاری بھرکم آواز اور الفاظ علمی وادبی زبان استعمال کرنے سے لوگوں پر اپنی بڑائی اور قابلیت وصلاحیت کا سکہ جمے گا، وہ ہماری علمی لیاقت اور زبان کی فصاحت وبلاغت کے مداح ہوں گے، اور اس طرح ان پر اپنا ایک رعب قائم ہوگا، یہ فکر کی پراگندگی، علم کی کمی اور ناتجربہ کاری کی علامت ہے، اسے نہ بھولنا چاہئے کہ سخت اور نامانوس الفاظ یا اونچی زبان استعمال کرنے کا نام فصاحت نہیں، فصاحت وبلاغت یہ ہے کہ بات وقت اور حالات کے تقاضے کے مطابق ہو، ایسی بات جو کان کے راستے دل میں اترتی چلی جائے، اس کے سمجھنے میں نہ لغت سے مدد لینی پڑے اور نہ پاس کے آدمی سے پوچھنا پڑے کہ کیا کہا جارہا ہے؟ یہ ہے اصل فصاحت، ہاں اگر مجلس اہل علم کی ہو، علمی مسائل پر تبادلہ خیال ہورہا ہو تو جتنی اونچی زبان چاہیں استعمال کریں اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اسی طرح مخاطب اگر طلبہ ہیں تو ان کی صلاحیت اور علمی سطح کا اندازہ لگانا ضروری ہے، اس لئے کہ ان کے درمیان بھی مرتبے کا بڑا فرق ہوتا ہے، جس معیار، اور ذہن اور صلاحیت کے طلبہ ہوں ان کے سامنے اسی معیار اور اسی سطح کی باتیں رکھنا مفید ہے تاکہ ان کا ذہن اسے قبول کرے اور ان کے معیار وفہم سے اونچی باتیں کہی گئیں تو وہ بیکار جائیں گی اور اسی کے ساتھ وقت بھی برباد ہوگا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مشہور قول ’’ کلموا الناس علی قدر عقولھم ‘‘اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ لوگوں کے ساتھ گفتگو ان کی عقل وفہم کے مطابق ہو۔

گفتگو متوسط آواز میں :

گفتگو متوسط آواز اور درمیانہ انداز سے ہو، نہ اتنی آہستہ کہ مخاطب سن نہ سکے اور ٹھیک سے سمجھ نہ سکے، نہ اتنی زور اور بلند آواز سے ہو کہ لوگ کراہت محسوس کریں، ان کی سماعت پر بوجھ محسوس ہو، اور انہیں مخاطب کی طرف سے اپنی بڑائی جتانے اور لوگوں کو مرعوب کرنے کا گمان ہو، زیادہ چیخ کر بولنا ایک ناپسندیدہ اور نامناسب فعل ہے، جو انسانی وقار اور سنجیدگی کے خلاف ہے، حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو جو قیمتی نصیحتیں فرمائی تھیں، ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اپنی آواز پست رکھو، بے شک سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور مکروہ آواز گدھے کی ہوتی ہے، لہذا گدھے کی طرح زور زور سے چلانا کوئی دانش مندی کی بات نہیں ہے، یہاں پر جو آواز پست رکھنے کا حکم ہے وہ زیادہ زور سے بولنے کے مقابلے میں ہے، اور اس کا قرینہ آگے گدھے کی آواز کا تذکرہ ہے، یا پھر یہ بڑوں کے سامنے گفتگو کرنے کے آداب میں داخل ہے، اس سے یہ مراد ہر گز نہیں ہے کہ آواز اتنی پست رکھے کہ سننے اور سمجھنے میں خلل انداز ہو، اسی طرح متوسط آواز میں گفتگو کرنے کا حکم عام حالات کے اندر ہے ورنہ اگر ضرورت اس کی متقاضی ہو کہ بلند آواز سے گفتگو کی جائے جیسے وعظ وارشاد کی مجلس ہے اور مجمع بڑا ہے تو دور تک آواز پہونچانے اور افادہ عام کی غرض سے زور سے بولنے میں کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ ایسے موقع پر یہی مناسب ہے۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

ضروری اعلان

مدت خریداری معلوم کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ کے نام و پتہ کے اوپر جہاں مثلاً 2730/08(Upto Dec. 2021) لکھا رہے، اس کا مطلب ہے کہ آپ کا خریداری نمبر 2730/08 ہے اور Upto Dec. 2021 کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری دسمبر ۲۰۲۱ء میں ختم ہوگئی ہے، آپ کے ذمہ ۲۰۲۲ء کا زر تعاون باقی ہے۔

لہٰذا رقم بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر اور پورا پتہ لکھنا نہ بھولیں۔ جو حضرات چیک یا ڈرافٹ کی شکل میں رقم بھیجنا چاہیں ــــ تو اس پر صرف "Darul Esha'at" تحریر کریں۔

A/c No. : **1271488319**, A/c Name : **DARUL ESHA'AT**

IFSC Code : **CBIN0282779**

Central Bank of India, Branch: Anisabad, Patna-800002 (Bihar)

Mobile No. : +91-9006306098, 7250433562

ــــ سرکولیشن منیجر

انیسؔ و دبیرؔ کے مرثیوں میں خواتین کربلا

● سید محمد نیر رضوی — سی ۳، رحمان اپارٹمنٹ، نیو پارس ٹولی، ڈورنڈا، رانچی (جھارکھنڈ)

اُردو زبان وادب میں ''مرثیہ'' عام فہم طور پر اس نظم کو کہا جاتا ہے جس میں کسی مرنے والے کی مدح سرائی کی گئی ہو۔ اُردو مرثیہ سولہویں، سترہویں اور اٹھارہویں صدی میں مختلف ہیئتوں میں ہمیں نظر آتا ہے مگر یہ تسلسل ایک مخصوص شناخت پر ہی قائم نظر آتا ہے، یعنی اُردو مرثیوں میں حضرت امام حسینؑ اور اُن کے جاں نثاروں کی شہادت پر مرثیہ گو اس طرح رقت انگیز جذبات کا اظہار کرتا ہے کہ اہل مجلس متاثر ہو کر بین و ماتم کی جانب رجوع کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مرثیہ نگاری کا بنیادی مقصد ہی ثواب کی نیت سے بین و ماتم قرار پایا ہے۔ غرض اُردو زبان وادب میں مرثیہ وہ صنف سخن ہے یا ان نظموں سے متصف ہو گیا ہے جن میں واقعات کربلا کا المناک ذکر کیا جائے۔ شاعر اس صنف ادب میں حضرت امام حسینؑ اور ان کے جاں نثاروں کی شہادت کو موضوع سخن بناتا ہے، نہایت عقیدت کے ساتھ ان کی مدح سرائی کرتا ہے اور غم و الم کی کیفیت اُبھارتے ہوئے رقت انگیز جذبات کا اظہار کرتا ہے۔ اٹھارہویں صدی تک گو کہ بہت سارے مرثیہ گو شعرا کے مرثیے منظر عام پر آچکے تھے مگر ابھی تک اُردو مرثیوں کی کوئی خاص ہیئت مقرر نہیں ہوئی تھی۔ زیادہ تر مرثیوں میں صرف بیانیہ مضامین ہوا کرتے تھے جن میں حضرت امام حسینؑ اور ان کے جاں نثاروں کی شہادت کا المناک بیان ہوا کرتا تھا جسے سن کر عقیدتمند حضرات اشکبار ہو جاتے تھے۔ مرثیہ گو عام طور پر غزل کی ہیئت میں مشق کیا کرتے تھے پھر رفتہ رفتہ مثلث، مثنوی، مربع اور مخمس جیسی ہیئتوں کو بھی اپنا کر مرثیے لکھے جانے لگے۔ چنانچہ میر تقی میرؔ کے دریافت کردہ ۳۴ مرثیوں میں سے تین مرثیے غزل، تین مرثیے مسدس اور زیادہ تر مرثیے مربع کی ہیئت میں ملتے ہیں۔ مرزا محمد رفیع سوداؔ کے عہد تک مرثیہ چار چار مصرعوں کے بندوں پر مشتمل ہوا کرتا تھا۔ سوداؔ کے زیادہ تر مرثیے اسی ہیئت میں موجود ہیں حالانکہ انہوں نے مسدس ترکیب بند اور مسدس دہرہ بند میں بھی مرثیہ نگاری کی ہے۔ سوداؔ کے مرثیے میرؔ کے مرثیوں کے مقابلہ میں زیادہ معیاری اور جاندار ہیں۔ سوداؔ کے مرثیوں میں قصیدے، غزل اور مثنوی کے نوع بنوع رنگ و آہنگ اور اثرات و کمالات نہایت قرینے سے گھلتے ملتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ واقعات کی ترتیب میں

نہایت دلچسپ اور پرکشش ربط و تسلسل ملتا ہے۔ مرزا محمد رفیع سوداؔ وہ مرثیہ گو عظیم شاعر ہیں جن کی اختیار کردہ اسی ہیت کو میر خلیق اور میر ضمیرؔ نے استحکام بخشا اور اس میں فنی اثرات پیدا کئے۔ پھر یہی روش میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کے یہاں آتے آتے اپنے اس کمال عروج کو پہنچتی ہے جہاں ہندوستان کی مٹی میں مرثیہ اُردو زبان و ادب کی ایک باضابطہ معیاری صنف سخن قرار پاتا ہے۔ غرض سوداؔ کے بعد میر ضمیرؔ اور میر خلیق نے اُردو ادب میں مرثیہ کی ہیت کو سنوار کر پیش کیا جسے انیسؔ اور دبیرؔ نے اس کے معیار کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ آج اُردو مرثیوں کا مطالعہ ادب اور شعر کے عالمی معیار و اقدار کے حوالہ سے کیا جاتا ہے۔

اس طرح اُردو صنف ''مرثیہ'' جو اُردو زبان و ادب میں شاعری کے کئی مختلف اصناف کا امتزاج ہے، اُنیسویں صدی میں ایک منظوم داستان کی شکل بھی اختیار کر لیتا ہے جہاں واقعات کربلا، شہادت امام حسینؑ، یزید ملعون کا ظلم، بی بی زینب کی آہ وزاری، علی اصغرؑ کی پیاس، قاتلین حسینؑ کی سختیاں، خانوادہ حسینؑ کی عورتوں کی بے حرمتی اور بے بسی اور ایسے ہی متعلقہ دیگر موضوعات زیادہ تفصیلات و جزئیات کے ساتھ معیاری طور پر مخصوص پیرایۂ اظہار میں ہمیں نظر آتے ہیں۔ اُردو مرثیہ کی امتیازی حیثیت یہ ہے کہ اُردو شاعری کے تمام اصناف سخن فارسی شاعری سے مستعار ہیں مگر اُردو صنف مرثیہ نے قصیدہ اور مثنوی کے خصوصی امتزاج کا جو روپ دھارن کیا وہ روپ خالصتاً ہندوستانی ہے اور یہیں کی مٹی سے تعلق رکھتا ہے۔ ہر مرثیہ کا ایک بندھا ٹکا روایتی ڈھانچہ ہوتا ہے جس میں چہرہ ہوتا ہے، بزم و رزم ہوتی ہے اور پھر اس میں مختلف اجزا کی آمیزش پائی جاتی ہے۔ میر انیسؔ کے مرثیوں میں ان عناصر پر قدرت پائی جاتی ہے جو مثنوی سے متعلق ہیں جب کہ مرزا دبیرؔ کے مرثیوں میں ان عناصر پر قدرت دیکھنے کو ملتی ہے جو قصیدہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان عظیم مرثیہ گو شعرا نے مرثیہ نگاری میں نوع بنوع جدت اور متنوع پہلوؤں کو فنکارانہ حیثیت بخشی ہے۔

اُردو زبان و ادب میں مرثیہ نگاری کا اصل ماخذ ''واقعہ کربلا'' ہے جسے تاریخ اسلام میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ جب امام عالی مقام حضرت امام حسینؑ نے محسوس کر لیا کہ اُن کے سامنے دو ہی راستے ہیں یا تو یزید کی بیعت کر لیں اور اگر بیعت سے انکار کرتے ہیں تو انجام کی پروا کئے بغیر حکومت سے ٹکر لینے کے لئے تیار ہو جائیں۔ افسوس صد افسوس! اہل کوفہ کی بے وفائی کی وجہ سے جگر گوشہ رسول ﷺ اور سردار اہل حق حضرت امام حسینؑ نے حکومت سے ٹکر لی اور اپنے جاں نثاروں کے ساتھ میدان کربلا میں نہایت کرب کے عالم میں شہید کر دیے گئے مگر کربلا کے معرکۂ حق و باطل میں نواسۂ رسول ﷺ نے دین حق کو یعنی اپنے ناناؐ کے دین ''دین اسلام'' کو بچا لیا۔

شاہ است حسین بادشاہ است حسین ❁ دین است حسین دیں پناہ است حسین
سر داد نہ داد دست در دست یزید ❁ حقا کہ بنائے لاالہ است حسین

حالات کے پیش نظر تقریباً ۷۲ جاں نثاروں پر مشتمل جب امام حسینؑ کا قافلہ جانب مقتل چلا ہے تو اس میں اُن کے عزیزوں، رفیقوں کے ساتھ ساتھ عورتیں اور بچے بھی شامل ہوئے۔ عورتوں میں سب سے اہم خاتون بی بی زینبؓ تھیں

جو سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کی بہن تھیں اور اپنے دونو عمر بیٹوں عون و محمد کے ساتھ آخری وقت تک حق پر قائم رہیں اور اپنے مظلوم بھائی کا ساتھ دیتی رہیں۔ بی بی اُم کلثوم تھیں جو حضرت امام حسینؑ کی چھوٹی بہن تھیں۔ بی بی ام فروہ تھیں جو امام حسنؑ کی زوجہ اور حضرت قاسمؑ کی والدہ تھیں۔ بی بی شہر بانو تھیں جو حضرت امام حسینؑ کی زوجہ تھیں۔ بی بی فاطمہ کبری تھیں جو حضرت امام حسینؑ کی بڑی صاجزادی تھیں۔ بی بی سکینہ تھیں جو حضرت امام حسینؑ کی چار سالہ صاجزادی تھیں اور بی بی فضہ جو بی بی فاطمہ زہراؑ کی کنیز رہ چکی تھیں۔ میر انیسؔ کے مرثیوں میں ان تمام خواتین کربلا کے علاوہ چند اور خواتین کا بھی تذکرہ بطور خاص کیا گیا ہے جو واقعہ کربلا میں بلا واسطہ شامل تو نہ تھیں مگر اپنے مردوں یعنی قاتلین حسینؑ کے سفاکانہ کردار کے برعکس حب اہل بیت اور حمایت حق کی بنا پر بالواسطہ واقعہ کربلا سے وابستہ تھیں مثلاً ہندہ یعنی یزید کی بیوی جس نے خاندان نبوتؐ ہی میں پرورش پائی تھی اور شیریں جو بی بی شہر بانوؑ کی آزاد کردہ کنیز تھیں۔ جب حضرت امام حسینؑ کا قافلہ مدینہ سے چلا تو حضرت امام حسینؑ نے اپنی نوعمر بیٹی بی بی صغریٰ فاطمہ، اپنی سوتیلی ماں بی بی اُم البنین اور اپنے نانا رسول اکرم ﷺ کی ضعیف اہلیہ اُم المومنین اُم سلمہؓ کو مدینہ میں ہی بادل ناخواستہ چھوڑ دیا تھا۔

قافلۂ حسینؑ مدینہ سے چلا اور سفر کی بے شمار صعوبتیں برداشت کرتا ہوا کربلا پہنچا اور یہاں کربلا میں ظلم و بربریت کا یہ عالم پیش آیا کہ میدان کربلا میں شدید گرمی میں خانوادہ رسولؐ اور اُن کے اہل بیت کا پانی بند کر دیا گیا۔ نہر فرات سے چرند پرند اور ہر کس و ناکس اپنی پیاس بجھا رہے تھے مگر قافلۂ حسینؑ کو پانی پینے کی اجازت نہیں تھی۔ انسانیت سوز تکالیف کے باوجود امام عالی مقامؑ نے اسی بے پناہی میں شب عاشور، ساری رات اللہ کے حضور عبادات و مناجات، گریہ و زاری اور استغفار میں گذار ڈالی۔ اور بالآخر دسویں محرم، عاشوراء کے دن بھوکا پیاسا یہ قافلہ میدان کربلا میں شہید کر دیا گیا۔ قاتلین حسینؑ نے سید الشہداء حضرت امام حسینؑ اور آل ابی طالب سمیت تمام جاں نثاروں کے صرف قتل پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ لاشوں کو گھوڑ سواروں کے ذریعہ پامال بھی کیا۔ امام عالی مقامؑ کی شان میں ان کے جام شہادت نوش کرنے سے قبل اور نوش کرنے کے بعد بھی گستاخانہ کلمات کہے اور اُن کے سر مبارک کی بے حرمتی کی گئی۔ تمام لاشوں کو بے گور و کفن چھوڑ دیا گیا۔ بھوک اور پیاس کی وجہ سے بی بی شہر بانو کا دودھ خشک ہو گیا تھا مگر اُن کے چھ ماہ کے شیر خوار بچہ معصوم علی اصغر بن امام حسینؑ کو پانی کے چند قطرے نہیں دیے گئے بلکہ پانی کے بجائے حلق میں تیر مارا گیا۔ شہادت کے بعد اہل بیت کے خیمے لوٹ لئے گئے۔

عورتوں کو گرفتار کر لیا گیا اور گلیوں میں نہایت بے بسی کے عالم میں گھومایا گیا۔ قاتلین حسینؑ میں جن بدبختوں نے ظلم و بربریت اور نہایت بدکرداری کا مظاہرہ کیا اُن میں یزید، حصین بن نمیر، ابن حوزہ، ابن زیاد، عمرو بن سعد اور شمر بن ذی الجوشن وغیرہ ملعونین کے برے نام سرفہرست ہیں۔

میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ نے بھی اپنی اپنی مرثیہ نگاری کے لئے دیگر مرثیہ نگاروں کی طرح متذکرہ بالا واقعات کی

تفصیلات و جزئیات کو موضوع سخن بنایا ہے۔ دیگر مرثیہ نگار مصائب کا تذکرہ اپنے اپنے طور پر بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کے مرثیوں کی خصوصیت یہ ہے کہ مرثیہ کے نایاب بیانیہ اور پرکشش حسن بیان کی وجہ سے قارئین کے سامنے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کردار بول رہے ہوں۔ میر انیسؔ کے مرثیوں کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اُنہوں نے اپنے مرثیوں میں خانوادۂ رسالت مآب ﷺ اور آل ابی طالب کی مقدس خواتین کی سیرت نگاری اس طرح اُن کے شایان شان کی ہے کہ اُن کا قابل احترام کردار عالمی منظر نامہ پر اپنے تقدس کے ساتھ نمایاں ہوا ہے۔ میر انیس اور مرزا دبیرؔ نے خواتین کربلا سے متعلق ان تمام عناصر کی بہت خوب مرقع کشی کی ہے مثلاً مدینہ سے لیکر میدان کربلا تک کے سفر میں تمام صعوبتوں کا برداشت کرنا، رنج و مصیبت، پے بہ پے صدمے، بے بسی اور بے پناہی اور تمام صبر آزما مقامات سے گذرتے ہوئے صابر و شاکر بنے رہنا۔ ہر پل کوئی دکھ ہے، ہر پل کوئی صدمہ ہے، پھر موت پہ گریہ وزاری ہے، پھر اپنے پیاروں کی جدائی کی تڑپ ہے مگر میر انیسؔ کا کمال یہ ہے کہ اُنہوں نے اپنے مرثیوں میں مشکل سے مشکل مرحلہ میں بھی خواتین کربلا کی سیرت کی بلندی اور ان کے اعلیٰ کردار کی عظمت پر ہی اپنے قلم کے زور کو برقرار رکھا۔ میر انیسؔ نے ان خواتین کو بھی اپنے مرثیوں کے نگارخانوں میں نہایت قرینے سے اُتارا ہے جو میدان کربلا میں تو نظر نہیں آئیں مگر حب اہل بیت سے سرشار تھیں۔ میر انیسؔ کے مرثیوں کی یہ خصوصیت قارئین کے دل میں جگہ بنانے میں بڑی کامیاب ثابت ہوتی ہے کہ وہ کربلا کے کردار کو ہندوستانی رنگ و آہنگ میں پیش کرکے ہمیں اپنائیت کا احساس کراجاتے ہیں۔ عرب کا ماحول، تیرہ سو برس کی عربی تہذیب و ثقافت اور خانوادۂ رسالت مآب ﷺ کی طرز رہائش وغیرہ کو ہندوستانی رنگ و روپ میں ڈھال دینا آسان نہیں ہے بلکہ مشکل ترین فن ہے مگر میر انیسؔ کے مرثیوں میں یہ شعوری کوشش نہایت کامیاب نظر آتی ہے۔ انہوں نے خواتین کربلا کے کردار کو بھی ہندوستانی لب و لہجہ دینے کی سعی کی ہے۔ حالانکہ ناقدین نے میر انیسؔ کی انہی کوششوں کو ان کے کلام کے لئے نشانہ ہدف بھی بنایا ہے مگر انیسؔ شناسی بتاتی ہے کہ میر انیسؔ نے واقعہ کربلا کے تقریباً ڈیڑھ سو کرداروں کی حیات و موت، جواں مردی اور جاں نثاری کی مرقع کشی اس انداز سے کی ہے کہ وہ سبھی قارئین کے دل و دماغ پر جیتی جاگتی تصاویر بن کر اپنا اثر مرتب کئے بغیر نہیں رہتیں۔ میر انیسؔ کے فنکارانہ انداز میں کی گئی مرقع کشی، ان کے چشم تخیل سے ادا کی گئی کردار کی ادائیگی اور واقعات کی جزئیات کی تصویرکشی میں اگر ہندوستانی رنگ و روپ شامل نہیں بھی ہوتا تب بھی اُن کے مرثیوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ میر انیسؔ کی یہ کوشش جن کی وجہ سے واقعہ کربلا سے وابستہ شخصیات کو ان کے مرثیوں نے آفاقیت بخشی ہے، وہ کوشش یقیناً کامیاب ہوتی کیوں کہ میر انیسؔ کی اصل کوشش اور اصل توجہ تو اُن کرداروں کو زمان و مکان کی قید و بند سے آزاد کرنے پر ہی صرف ہوئی ہے۔

میر انیسؔ ہیں کون؟ محقق و مورخ ڈاکٹر جمیل جالبی اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''تاریخ ادب اُردو'' میں مرثیہ گو شاعر میر مستحسن خلیق کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

''میر مستحسن خلیق بڑے باپ کے بیٹے اور بڑے بیٹے کے باپ تھے''

وہ اس طرح کہ مرثیہ گو شاعر میر مستحسن خلیق اُردو دنیا کی مشہور و معروف مثنوی ''سحرالبیان'' کے خالق میر حسنؔ کے بیٹے ہیں اور اُردو میں مرثیہ نگاری کا نقطہ عروج تسلیم کئے جانے والے میر ببر علی انیسؔ، میر مستحسن خلیق کے بیٹے ہیں اور مشہور مثنوی نگار میر حسنؔ مشہور ہجونگار میر ضاحکؔ کے بیٹے ہیں۔ غرض میر انیسؔ کے پرداد امشہور ہجونگار، دادا عظیم مرثیہ نگار تو والد عظیم مثنوی نگار تھے اور اُن کے سبھی چچا بھی کہنہ مشق شاعر تھے۔ اس طرح میر انیسؔ کا خاندان کئی پشتوں سے شعروادب کا خاندان رہا ہے۔ میر انیسؔ کا پورا نام میر ببر علی انیسؔ ہے۔ میر انیسؔ اپنی شاعری کے ابتدائی دور میں اپنے ایک مرثیہ میں اللہ رب العزت کے حضور نہایت عاجزی وانکساری کے ساتھ کچھ اس طرح دست بستہ نظر آتے ہیں:

مبتدی ہوں مجھے توقیر عطا کر یارب ❁ شوق مداحی شبیر عطا کر یارب
سنگ ہوموم وہ تقریر عطا کر یارب ❁ نظم میں رونے کی تاثیر عطا کر یارب
جدّ وآبا کے سوا اور کوئی تقلید نہ ہو ❁ لفظ مغلق نہ ہو، گنجلک نہ ہو تعقید نہ ہو

اللہ رب العزت نے دعا قبول فرمائی اور میر انیسؔ کو شاعری کی دولت ورثہ میں ملی۔ میر انیس محلہ گلاب باڑی، فیض آباد میں ۱۲۱۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۳ سال کی عمر میں ۱۲۹۱ھ میں انتقال کیا۔ فارسی اور عربی دونوں زبانوں پر عبور حاصل تھا جس کا فائدہ انہیں ان کی شاعری میں ہوا۔ قرآن وحدیث کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی۔ شاعری میں اپنے والد میر مستحسن خلیق کے شاگرد تھے۔ میر انیسؔ نے اپنے والد کی خواہش اور اپنے ذوق کی بنا پر غزل کو خیرباد کہتے ہوئے عقیدت کے پیش نظر مرثیہ نگاری میں مشق شروع کی اور بہت جلد انہوں نے اپنا پہلا مرثیہ محلہ نخاس میں واقع اکرام اللہ خان کے امام باڑہ میں پڑھا جہاں ان کے والد کے ساتھ ساتھ مشہور مرثیہ گو شاعر میر ضمیرؔ بھی موجود تھے جو میر انیسؔ کی مرثیہ خوانی سے بہت متاثر ہوئے۔ میر انیسؔ کی حوصلہ افزائی ہونے لگی۔ اہل مجلس میں مانگ بڑھنے لگی۔ شہر میں جا بجا چرچا شروع ہوگیا۔ میر انیسؔ کی شخصیت لکھنؤ کی عظیم المرتبت تہذیب وثقافت کی مثالی نمائندہ شخصیت تھی۔ وہ فیض آباد میں مقیم تھے مگر مرثیہ پڑھنے لکھنؤ آتے بعد میں ہر سال پٹنہ (عظیم آباد) بھی آتے تھے۔ اُن کا آخری سفر حیدرآباد کا سفر تھا جہاں اُن کی بڑی پزیرائی ہوئی مگر وہاں وہ بیمار ہو گئے، پھر بیماری کی حالت میں ہی لکھنؤ واپس آئے اور یہاں ۱۲۹۱ھ کو انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔ میر انیسؔ بلند اخلاق کے مالک تھے۔ خوش گفتار اور خوش صفت انسان تھے۔ مرثیہ نگاری اور مرثیہ خوانی دونوں ہی میں بڑی محنت کیا کرتے تھے۔ میر انیسؔ نے مرثیہ نگاری کو بطور صنف کمال عروج تک پہنچایا اور مرثیہ کو تحت اللفظ میں پڑھنے کا فن عطا کیا۔ وہ عام فہم مرثیے نہایت مخصوص انداز سے پڑھتے۔ یہی رنگ سخن، یہی انداز سخن اور یہی طرز ادا اُن کی مقبولیت کا ضامن بھی تھا۔ اُردو دنیا میں میر انیسؔ استاد مرثیہ گو شاعر تسلیم کئے گئے ہیں۔ اُنیسویں صدی کے اس دور میں لکھنؤ انگریزوں کی حفاظت میں تھا اور دنگے فساد

سے بظاہر محفوظ تھا۔ چنانچہ لکھنؤ کے اس پر امن ماحول اور تہذیبی فضا میں جہاں مختلف النوع رنگارنگ سرگرمیاں بڑھی ہوئی تھیں وہیں محرم سے وابستہ سرگرمیاں بھی اپنے عروج پر تھیں۔ میر انیسؔ نے جو مرثیے تحریر کئے ان میں خواتین اہل بیت سے اُن کی عقیدت و محبت اور تعظیم و احترام کا نہایت والہانہ بیان ملتا ہے۔ اس کے باوجود ان کے مرثیوں کا وصف یہ ہے کہ اُنہوں نے ان معزز اور مقدس ہستیوں بالخصوص خواتین کربلا کو ان کی مرقع کشی، سیرت نگاری اور جذبات نگاری میں انسانی فطرت کے تقاضوں کے پیش نظر ہی پیش کیا ہے۔ ذیل میں نمونۃً وہ مثالیں دیکھئے جن میں میر انیسؔ کا شاعرانہ پیکر اظہار، اُن کا حسن خیال، طرز ادا اور تخیلات و تصورات کی کارفرمائی وجہ کشش بنتی ہوئی نظر آتی ہے۔

(۱) قافلۂ حسینؑ مدینہ سے چلا ہے اور اب منزل کرب و بلا قریب ہے۔ دریں اثنا محرم کا چاند نظر آتا ہے۔ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی رہ چکی کنیز فضہ خیمہ کا پٹ ہٹا کر حضرت علی اکبر سے کہتی ہیں:

لو دیکھ چکیں چاند ید اللہ کی پیاری ❁ آنکھوں کو کئے بند یہ فرماتی ہیں واری
آئے تو رخ اکبر ذی قدر کو دیکھوں ❁ شکل مہ نو دیکھ چکی بدر کو دیکھوں

(۲) قافلۂ حسین کربلا پہنچ جاتا ہے اور خیمہ لگانے پر مناسب جگہ کی تلاش ہے جس پر مشورہ کیا جاتا ہے۔ اس موقع پر بی بی زینب کا مشورہ دیکھئے:

بولی یہ سن کے دختر خاتون روزگار ❁ اس امر میں بھلا مجھے کیا دخل میں نثار
خشکی ہو یا ترائی چمن ہو کہ سبزہ زار ❁ ہر جا مسافروں کا نگہباں ہے کردگار
مختار کائنات کے تم نور عین ہو ❁ اُترو وہاں جہاں میرے بھائی کو چین ہو

(۳) یزیدی فوج کربلا میں دریا کے کنارے خیمہ نہیں لگانے دیتی۔ حضرت عباسؓ بن علیؓ کو غصّہ آجاتا ہے مگر امام حسینؑ انہیں منع فرماتے ہیں۔ اس موقع پر بی بی زینبؓ اپنے بھائیوں کی جان کے لئے متفکر نظر آتی ہیں:

ہے ہے غضب ہوا اگر آیا انہیں جلال ❁ کہہ دے کوئی کہ اے اسد کبریا کے لال
قربان ہوگئی نہ لڑائی کا نام لو ❁ میں ہاتھ جوڑتی ہوں کہ غصہ کو تھام لو

(۴) بی بی زینبؓ اپنے بھائی امام حسینؑ پر اپنے دونوں نوعمر بیٹوں عون و محمد کو قربان کر دینا چاہتی ہیں۔ بہن کی جاں نثاری کی کیفیت دیکھئے:

رکھتی نہیں کچھ اور میں یا شاہ بحر و بر ❁ اک جان ہے بس اور یہ دو پارۂ جگر
مایہ مرا یہی، یہی دولت، یہی ہے زر ❁ ان کو بچاؤں گر تو کسے پھر فدا کروں

بالآخر بی بی زینبؓ کے دونوں نوعمر بیٹے عون و محمد شہید کر دیے جاتے ہیں۔ اس شہادت پر بی بی شہر بانو کا بیان دیکھئے:

آنچ آتما کی دل کو جلائے تو کیا کروں ❁ گر فرق میرے صبر میں آئے تو کیا کروں

اور اپنے دونوں نونہالوں کے غم میں ڈوبی ماں بی بی زینبؓ کی کیفیت دیکھئے:

زینب نے نہ فریاد کی نے اشک بہائے ❁ بیٹھی رہیں سر زانوئے اقدس پہ جھکائے

لب خشک تھے منہ زرد، مژہ اشکوں سے تر تھی ❁ نے اپنی نہ بھائی کی نہ لاشوں کی خبر تھی

(۵) حضرت علی اکبرؓ بن امام حسینؑ کی شہادت پر بی بی زینبؓ کے جذبات کی ترجمانی دیکھئے:

چھوٹا تو ضد بھی کرتا تھا راتوں کو بارہا ❁ پر عون کیا عقیل تھا بخشے اسے خدا

دن رات تھی خوشامد ہم شکل مصطفیٰؐ ❁ سینے پہ جب یہ سوئے تو اس نے یہی کہا

آقا کے نور عین ہیں عالی مقام ہیں ❁ اماں یہ شاہزادے ہیں اور ہم غلام ہیں

بی بی زینبؓ اسی عالم بے قراری میں حضرت علی اکبرؓ کی صفات بیان کرتی ہیں:

ہے ہے مرے سعید و رشید و متیں جواں ❁ خوش رو جواں، غریب جواں، مہ جبیں جواں

صفدر جواں، شکیل جواں، نازنیں جواں ❁ کس نے تجھے مروڑ لیا اے حسیں جواں

(۶) سب شہید ہو گئے حضرت امام حسینؑ اب تنہا ہو گئے اور تنہا جنگ کے لئے رخصت ہو رہے ہیں۔ اس وقت بی بی زینبؓ کی بے بسی دیکھئے:

اے بھائی دکھاؤں کسے تنہائی تمہاری ❁ تھامے گی رکاب آج یہاں جائی تمہاری

شہ نے کہا زینب تری الفت کے میں قرباں ❁ پھر گھوڑے کے نزدیک گئے سرور ذیشاں

زینب نے رکھا ہاتھ رکاب شہ دیں پر ❁ شبیر ہوئے جلوہ نما خانہ زیں پر

(۷) نواسۂ رسولؐ حضرت امام حسینؑ شہید کر دئے جاتے ہیں۔ بھائی کی شہادت کے بعد لاڈلی بہن بی بی زینبؓ کا المناک بیان دیکھئے:

بھیّا میں اب کہاں سے تمہیں لاؤں کیا کروں ❁ کیا کہہ کے اپنے دل کو میں سمجھاؤں کیا کروں

کس کی دہائی دوں، کسے چلّاؤں کیا کروں ❁ بستی پرائی ہے میں کدھر جاؤں کیا کروں

دنیا تمام اُجڑ گئی ویرانہ ہو گیا ❁ بیٹھوں کہاں کہ گھر تو عزا خانہ ہو گیا

(۸) امام عالی مقام، جگر گوشۂ رسولؐ، محافظ دین و ایمان شہید کر دئے گئے اور شہادت کے بعد قافلہ لوٹ لیا گیا۔ خاندان رسولؐ کی عورتوں کی بے حرمتی کی گئی۔ بی بی زینب کو دربار میں پیش کیا گیا جہاں انہوں نے نہایت چشم کشا اور روح فرسا بیان دیا:

دین و دنیا کے شہنشاہ کی بیٹی ہوں میں ❁ او ستم گر اسد اللہ کی بیٹی ہوں میں
تیغ کیوں سبط پیمبر پہ چلائی تو نے ❁ کی بلا کر مرے بھائی سے برائی تو نے
شکل نامحرموں کو میری دکھائی تو نے ❁ ہائے لوٹی مری اماں کی کمائی تو نے
کیا جواب اس کا پیمبر کو تو دے گا ظالم ❁ تو نے برباد کیا خانۂ زہرا ظالم

(۹) اُم کلثوم اپنی سوتیلی ماں اُم البنین یعنی والدہ حضرت عباسؓ کو اپنے بھائیوں کی شجاعت اور ان کی جاں نثاری کی داستان سنا رہی ہیں:

اس خوبی سے مارا گیا فرزند تمہارا ❁ دودھ اس کو نہ بخشا ہو تو اب بخشو خدارا
پھر فاطمہ زہراؓ کا وہ کیوں نہ ہو پیارا ❁ واللہ سر اس نے قدم شاہ پہ وارا
یہ جو کہا غل ہونے لگا سینہ زنی کا ❁ اور ذکر تھا شبیر کی تشنہ دہنی کا

(۱۰) حضرت امام حسنؑ کی بیوہ صابرہ وشاکرہ بی بی اُم فروہ اپنے نوجوان بیٹے حضرت قاسمؑ کو میدان جنگ میں روانہ کرتے وقت جو دلسوز بیان دیتی ہیں وہ دیکھئے:

جاتا ہے سر کٹانے کو رن میں رشک ماہ ❁ لو میں نے دودھ بخش دیا سب رہیں گواہ
فرما کے الوداع اٹھا دلبر حسن ❁ برہم ہوئی، وہ بزم، وہ صحبت، وہ انجمن

(۱۱) امام حسینؑ کی بیٹی فاطمہ کبریٰ اپنے ایک رات کے شوہر نامدار حضرت قاسمؑ بن امام حسنؑ کے لئے جس طرح وفور محبت اور اپنے جذبات کی شدت کا اظہار کرتی ہیں اس سے کلیجہ پھٹ جاتا ہے:

سمجھی میں یہ بس مجھ کو نہ سمجھائیے صاحب ❁ کیا زور مرا خیر چلے جائیے صاحب
آنا مرا اور آپ کا سر دینے کو جانا ❁ روکوں تو کہو گے مرے کہنے کو نہ مانا
اتنا تو کہے جاؤ کہ کب ہوگی ملاقات ❁ دولہا نے کہا حشر میں اب ہوگی ملاقات

(۱۲) حضرت عباسؓ اپنی بھتیجی، چار سالہ بچی بی بی سکینہ کی پیاس بجھانے مشک بھر کر پانی لانے کی کوشش کرتے ہیں مگر داد شجاعت دیتے دیتے بی بی سکینہ تک پانی پہنچانے میں ناکام ہو جاتے ہیں اور ادھر بی بی سکینہ بنت امام حسینؑ کی شدت پیاس سے برا حال ہے۔ بچی کی نالہ وزاری دیکھئے:

اب کیا سکینہ پیاسی ہی مر جائے اے چچا ❁ کب تک لڑو گے فوج سے بس ہو چکی دغا
سوکھے ہوئے لبوں پہ مری جان آئی ہے ❁ اے نور چشم ساقی کوثر دہائی ہے

سب کی لاڈلی اور ناز و نعم میں پلی اس بچی سکینہ کی دل کو تڑپا دینے والی ایک اور مرقع کشی دیکھئے:

کہتے ہیں سب لبوں پہ زبانوں کو پھیر کر ❁ اب پانی لے کے آتے ہیں عباس نامور
حضرت سے پوچھتی ہے سکینہ بچشم تر ❁ میرے چچا کب آئیں گے یا شاہ بحر و بر

(۱۳) جب سارے مرد شہید ہو گئے اور صرف بیمار سید سجادؑ بچ گئے جو بیہوش پڑے ہیں اور خیمے جلا دئے گئے ہیں۔ ایسے میں بی بی سکینہ کی زبانی وہ حقیقت سنیے جس میں عزت نفس بھی شامل ہے:

کہتی تھی سہم کر یہ سکینہ جگر فگار ❁ مجھ کو کہیں چھپا لو پھوپھی تم پہ نثار
غافل ہیں ہم نے دیکھ لیا بس سبھوں کا پیار ❁ اکبر ہے یاں نہ حضرت عباس نامدار
نامحرم آ کے خیمہ عصمت میں بھر گئے ❁ پوچھو کسی سے تم مرے بابا کدھر گئے

(۱۴) حضرت امام حسینؑ کا شیر خوار بچہ علی اصغر کی زبان پیاس کی شدت سے باہر آنے لگتی ہے اور دوسری طرف ان کی ماں کا دودھ بھوک اور پیاس کی وجہ سے خشک ہو جاتا ہے ایسے میں ماں بی بی شہر بانو کی پر اثر فریاد و بیقراری دیکھئے:

اہل حرم ہیں ہودج محمل میں بے قرار ❁ معصوم پانی مانگتے ہیں رو رو کے بار بار
بانو پکارتی ہے کہ یا شاہ نامدار ❁ گرمی سے جاں بلب ہے مرا طفل شیر خوار
کیونکر یہ دکھ اُٹھے چھ مہینے کی جان سے ❁ گرمی ہے یا برستی ہے آگ آسمان سے

(۱۵) بی بی شہر بانو کی آزاد کردہ کنیز شیریں کو اہل بیت پر ہوئے اس جور و ستم کا کائی علم نہ تھا مگر جب معلوم ہوا تب اس کنیز کی کیفیت دیکھئے:

شیریں کا تھا یہ حال کہ گرتی تھی وہ مضطر ❁ بانو کے قدم پر کبھی زینب کے قدم پر
آقا تری اس خون بھری صورت کے میں واری ❁ میں مر نہ گئی ہائے بلا لے کے تمہاری

(۱۶) یزید کی بیوی ہندہ جو مومنہ ہے اور خاندان نبوت میں پرورش پا چکی ہے۔ اسے بھی واقعہ کربلا کا علم نہیں ہے مگر جب واقفیت ہوتی ہے تو اس کا دل بھی لرز جاتا ہے۔ دیکھئے وہ کس طرح بی بی زینبؑ سے فریاد رس ہے:

اے میری شاہزادی چھپاؤ نہ مجھ سے حال ❁ زینب تمہیں ہو، خواہر شبیر با کمال
تم کو قسم ہے فرق شہ مشرقین کی ❁ جلدی کہو خبر مرے آقا حسین کی

اب مرزا دبیرؔ کے بارے میں جانئے! مرزا دبیر کا پورا نام مرزا سلامت علی دبیرؔ ہے۔ وہ بھی لکھنؤ تہذیب کی نہایت مہذب اور نمائندہ شخصیت تھی۔ ان کی پیدائش دلّی کے بلّی ماران میں ۱۲۱۸ھ کو ہوئی مگر ان کے والد مرزا غلام حسین انہیں کم عمری میں ہی لکھنؤ لے کر آ گئے جہاں ان کی بہتر پرورش کے ساتھ ساتھ بہتر تعلیم و تربیت بھی ہوئی۔ استاد مولوی غلام ضامن نے انہیں صرف ونحو، حکمت اور منطق و ادب پڑھایا اور مرزا کاظم علی سے قرآن و حدیث، فقہ و تفسیر اور دیگر علوم دینیہ حاصل کئے۔ عربی اور فارسی زبان

پر بھی عبور حاصل تھا۔ مرزا دبیرؔ قابل احترام عالم دین اور نہایت عابد وزاہد انسان تھے۔ ان کے زمانہ میں غزل نہایت مقبول ترین صنف تھی اور بالعموم شعرا اپنی شعروشاعری کے لئے اسی صنف میں مشق سخن کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ماحول سے متاثر ہو کر مرزا دبیرؔ بھی غزل گوئی کی جانب کم عمری میں ہی مائل ہوئے مگر بہت جلد غزل کو خیرباد کہہ کر مزاج مرثیہ گوئی کی جانب مائل ہوگیا اور محض گیارہ برس کی عمر میں عظیم مرثیہ گو شاعر میر ضمیرؔ کے شاگرد بن گئے۔ ان کا مزاج مابعدالطبیعاتی تھا۔ مرزا دبیرؔ کی وفات ۱۲۹۲ھ میں ہوئی اور ان کی مرثیہ گوئی کا سلسلہ ان کی وفات تک مسلسل جاری رہا۔ مرزا دبیرؔ ایک قادر الکلام اور زود گو شاعر تھے جن میں فطری طور پر شعروشاعری کی بالخصوص مرثیہ گوئی کی اعلیٰ ترین فنکارانہ صلاحیت موجود تھی۔ مرزا دبیرؔ کا ترنم اور مرثیہ خوانی کی طرز ادا میر انیسؔ کی طرح شیریں اور دھیما نہیں تھا بلکہ بلند آواز اور تیز رفتار ہوا کرتا تھا۔ مرزا دبیرؔ کی شہرت اُن کی قادر الکلامی اور معیاری شاعرانہ صلاحیتوں کی وجہ سے لکھنؤ سمیت ہر چہار جانب ہونے لگی تھی۔ اسی زمانہ میں میر انیسؔ بھی مرثیہ خوانی کے لئے لکھنؤ تشریف لانے لگے اور ان کی مقبولیت میں بھی اضافہ ہونے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اب لکھنؤ میں دو گروہ بن گئے: مرزا دبیرؔ کو پسند کرنے والے ''دبیرئے'' اور میر انیس کو پسند کرنے والے ''انیسئے'' کہلانے لگے۔ دونوں مرثیہ گو شعرا عہد حاضر کے شعور وادراک سے بہت اچھی طرح واقف تھے مگر دونوں کے راستے جدا جدا تھے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے مطابق:

''انیس سلاست و صفائی اور جوش و رنگینی کے خدائے سخن ہیں۔ دبیر خیال آفرینی تخلیق معانی، تہہ داری، نئی امیجری، جدت استعارات اور اختراع تشبیہات کے خدائے سخن ہیں۔''

مرزا دبیرؔ کے مرثیوں کی خصوصیت یہ ہے کہ مرزا دبیرؔ کو اگر مشکل گوئی میں مہارت حاصل ہے تو ان کے مرثیے آسان اور عام فہم لہجہ میں بھی ملتے ہیں۔ مرزا دبیرؔ کے مرثیوں کی امتیازی شان یہ ہے کہ اہل نظر ان کی خامیوں میں سے خوبیاں تلاش لیتے ہیں اور ان کی خوبیوں میں سے خامیاں تلاش لیتے ہیں۔ مرثیہ نگاری کا موضوع سخن یکساں ہونے کی وجہ سے دونوں استاد مرثیہ گو شعرا نے خواتین کربلا سمیت واقعہ کربلا سے وابستہ تقریباً تمام واقعات وجزئیات پر طبع آزمائی کی ہے۔ ذیل میں نمونتاً وہ مثالیں دیکھئے جن میں میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کا شاعرانہ پیکر اظہار، اُن کا حسن خیال، طرز ادا اور تخیلات وتصورات کی کارفرمائی ان کے مرثیوں میں قارئین کے لئے وجہ کشش بنتی ہوئی نظر آتی ہے۔

(۱) قافلۂ حسینؑ مدینہ سے روانہ ہوتا ہے امام حسینؑ کی چہیتی بہن بی بی زینبؑ اپنے دونوں نونہالوں عون ومحمد کے ساتھ قافلہ میں شامل ہو جاتی ہیں مگر ان کے شوہر حضرت عبداللہ بن جعفرؓ انہیں جانے سے روکتے ہیں۔ اس موقع پر بی بی زینب کا اپنے شوہر کو دیا گیا جواب دیکھئے:

بچھڑی ہوں نہ بچھڑوں گی حسین ابن علی سے ❁ بن بھائی کا مجھ کو کئے دیتے ہو ابھی سے
بیٹوں کی جدائی نہیں صاحب کو گوارا ❁ میں سمجھی جو اس باب میں مطلب ہے تمہارا

مختار ہو تم ان کے کیا میں نے کنارا ❁ اولاد تمہیں پیاری مجھے بھائی ہے پیارا
بیٹوں کو تمہارے تمہیں دے جائے گی زینب ❁ جان اپنی فقط صدقے کو لے جائے گی زینب

(۲) حضرت علی اکبرؓ جنگ کے لئے روانہ ہو رہے ہیں وہ اپنی والدہ سے تو اجازت لیتے ہیں مگر بے خیالی میں اپنی پھوپھی بی بی زینبؓ سے اجازت نہیں لے پاتے۔ یہ بات پھوپھی بی بی زینبؓ کو روحانی تکلیف پہنچاتی ہے۔ بی بی کہتی ہیں:

ہٹ ہٹ کے وہ بولیں کہ نہ یہ ذکر نکالو ❁ دم رکتا ہے باہیں نہ گلے میں مرے ڈالو
ماں بیٹھی ہے وہ جاؤ گلے اس کو لگا لو ❁ بانو کی خوشامد کرو مرنے کی رضا لو
میں پیار نہیں کرتی میں قرباں نہیں ہوتی ❁ جاؤ میں تمہاری پھوپھی اماں نہیں ہوتی

(۳) بالآخر علی اکبرؓ جنگ میں شہید ہو جاتے ہیں اور ماں شہر بانو اپنے گوشہ جگر کی شہادت پر اس طرح اپنے جذبات کا اظہار کرتی ہیں:

خدا کے واسطے اکبر کو ڈھونڈ لاؤ کوئی ❁ جگر میں آگ لگی ہے ارے بجھاؤ کوئی
یہ کیا غضب ہوا اے صاحبو بتاؤ کوئی ❁ نجف سے حیدر کرّار کو بلاؤ کوئی

(۴) حضرت علی اکبرؓ کی شہادت پر پھوپھی بی بی زینبؓ کے جذبات کی عکاسی دیکھئے:

سر کھولے پر ارمان کے لاشے پہ چلی ہوں ❁ کس منھ سے کہوں دختر زہرا و علی ہوں
سب جانتے ہیں حوروں کے دامن میں پلی ہوں ❁ زینب تھی میں یثرب میں یہاں کوکھ جلی ہوں

(۵) اسی طرح قاتلین حسینؑ جب شیر خوار معصوم علی اصغر کو شہید کر دیتے ہیں تو ماں شہر بانو محسوس کرتی ہیں کہ ان کی گود سونی ہوگئی۔ ایسے موقع پر ایک ماں کے قلب کی آواز سنئے:

اس وقت یاد آتی ہیں اصغر کی واردات ❁ میدان سونا لاشے پہ لاشہ اندھیری رات
جنگل میں جگا ہوگا جو معصوم نیک ذات ❁ پہلو میں ڈھونڈا ہوئے گا مجھ کو اٹھا کے ہات
جانے دو مجھ کو جانے دو اب جان جاتی ہے ❁ اصغر کے رونے کی مجھے آواز آتی ہے

(۶) حضرت عباسؓ کی شہادت پر بی بی زینبؓ اور بی بی شہر بانوؓ کا نہایت جذباتی مکالمہ دیکھئے، حضرت زینبؓ کہتی ہیں:

بھابھی جو کہیں یہ، وہ کرو، ان کو مناؤ ❁ سر اچھی طرح ڈھانپ لو تو سامنے آؤ

بی بی شہر بانو، حضرت علی کرم اللہ وجہہ الشریف کی جانب اشارہ کرتی ہوئی جواب دیتی ہیں:

اب کس کے منانے کے لئے ڈھانپوں میں سر کو ❁ گھر لٹتا ہے، ہے ہے میں نکل جاؤں کدھر کو

بانو نے کہا یوسف شبیر ہوا گم ❁ کیوں شیر خدا لے چلے بیٹے کو مرے تم
اس کو کھ جلی کی تو نہ فریاد کو پہنچے ❁ دم توڑتے ہیں پوتے کی امداد کو پہنچے

(۷) حضرت عباسؓ کی شہادت پر بی بی زینبؓ یوں گریہ کناں ہیں:

زینب نے کہا زندہ ہیں عباس خوش خصال ❁ تم جاؤ میں یاں بہر شفا کھولتی ہوں بال

میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کی مرثیہ نگاری میں گہری سنجیدگی اور متانت بدرجہ اتم موجود ہے۔ دونوں کو فن شاعری بالخصوص مرثیہ نگاری اور مرثیہ خوانی کے فن میں مہارت حاصل ہے۔ اُردو زبان وادب میں یہی وہ واحد صنف سخن ہے جس میں مشق سخن اجروثواب کی نیت سے بھی کی جاتی ہے۔ میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ دونوں ہی اہل بیت اطہار کی عظمت وفضیلت سے بخوبی واقف تھے، لہٰذا انہوں نے اپنے مرثیوں میں اہل بیت کی محبت وعقیدت اور عزت واحترام کے اظہار میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ انہوں نے بھی یہ مشق سخن اجروثواب کی نیت ہی سے کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی مرثیہ نگاری اور مرثیہ خوانی محبان اہل بیت کو خوب خوب رلایا کرتی ہے اور اہل مجلس ہر شعر پر داد دیئے بغیر نہیں رہتے۔ انہوں نے مرثیہ نگاری کے توسط سے عام زندگی کے چھوٹے بڑے تجربات سے بھی قارئین کو واقف کرایا ہے۔ اُردو زبان میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کی مرثیہ نگاری کی ممنون ومشکور رہے کہ ان کی مرثیہ نگاری کے وسیلہ سے اُردو زبان وادب لفظیات واصطلاحات، ضرب المثل، محاورات، تشبیہات اور اشارے اور کنائے کے حوالہ سے کافی زرخیز ہوئی ہے اور اُردو زبان وادب کے سرمایہ میں بیش بہا اضافہ ہوا ہے۔

حواشی:

(۱) تاریخ ادب اُردو: ڈاکٹر جمیل جالبی
(۲) موازنہ انیس ودبیر: شبلی نعمانی
(۳) یادگار انیس: امیر احمد دہلوی
(۴) مرثیہ خوانی کا فن: نیر مسعود
(۵) آب حیات: محمد حسین آزاد
(۶) خواتین کربلا (کلام انیس کے آئینے میں): صالحہ عابد حسین
(۷) مرزا دبیر کی مرثیہ نگاری: ایس اے صدیقی
(۸) مرزا اسلامت علی دبیر: حیات اور کارنامے: مرزا محمد زماں
(۹) تلاش دبیر: کاظم علی خان
(۱۰) انیس ودبیر: حیات وخدمات: مرتبہ: صدیق الرحمٰن قدوائی
(۱۱) المجیب، پھلواری شریف، پٹنہ (اکتوبر۔نومبر۔دسمبر ۲۰۱۸)

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

بارہویں قسط

منزل جاناں پہ تو پہنچا بہ صد مشکل سہی
(چند دن دیار حرم میں)

● وارث ریاضی ــــ کاشانۂ ادب، سکٹا دیوراج، بسوریا، مغربی چمپارن

حطیم :

بیت اللہ سے ملحق شمالی جانب ایک ہلالی شکل کی قد آدم دیوار ہے، اس کے اندرونی حصے کو حطیم کہا جاتا ہے۔(۱۷۲) اس کا دوسرا نام حجرۂ اسماعیل بھی ہے، خانۂ کعبہ کی تعمیر کے بعد، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ محترمہ کے رہنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جھونپڑی کا ایک سائبان بنوا دیا تھا، یہ حصہ بیت اللہ کے باہر تھا، قریش نے جب خانۂ کعبہ کی تعمیر کی تو اس حصے کو خانۂ کعبہ سے علاحدہ رکھا، لیکن قریش کی تعمیر میں حطیم کی جو جگہ چھوڑ دی گئی تھی، اس جگہ کی تین میٹر کا حصہ، کعبے کا جز ہے۔(۱۷۳) اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کی ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ کا واضح ارشاد ہے:

”(اگر میں کعبہ کی تعمیر کرتا تو) اس میں حطیم کی طرف سے چھ ہاتھ (تین میٹر) کا اضافہ کرتا ــــ(۱۷۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں ہے نبی ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

اے عائشہ! اگر تمہاری قوم کا ”اسلام“ زمانۂ جاہلیت سے قریب نہ ہوتا تو میں یہ حکم دیتا کہ بیت اللہ کو گرا کر اس کے چھوٹے ہوئے حصے (یعنی حطیم) کو بھی تعمیر میں شامل کر دیا جائے، نیز بیت اللہ کی اندرونی زمین کو صحن کی زمین کے برابر کر دیا جائے اور دو دروازے لگا دیئے جائیں، ایک مشرقی سمت میں اور دوسرا مغربی سمت میں، تا کہ یہ تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد اور تعمیر کے مطابق ہو جائے ــــ(۱۷۵)

مکہ مکرمہ پر جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا اقتدار قائم ہوا تو انہوں نے خانۂ کعبہ کی ”تعمیر قریش“ کو منہدم کرا کے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی روشنی میں منشائے نبوت کے مطابق ۶۵ھ میں خانۂ کعبہ کی تعمیر کرادی، لیکن جب حجاز پر اموی حکمراں عبدالملک بن مروان کا تسلط ہوا، تو اس نے مشہور سفاک عامل (گورنر) حجاج بن یوسف کو حکم دیا کہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی ''تعمیر کعبہ'' کو منہدم کرکے اس کو تعمیر قریش کے مطابق کردیا جائے، چناں چہ حجاج بن یوسف نے مکہ مکرمہ پر حملہ کرکے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو شہید کردیا اور ان کی تعمیر کعبہ کو گرا کر اس کو تعمیر قریش کے مطابق کردیا، اس کے بعد جب عبدالملک بن مروان کو معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تعمیر کعبہ منشائے نبوت کے مطابق تھی تو وہ پریشان ہوا، اور کہا کہ اگر مجھے یہ بات پہلے معلوم ہوگئی ہوتی تو میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تعمیر کعبہ کو منہدم کرنے کا حکم نہیں دیتا۔(۱۷۶)

خلفائے عباسیہ میں سے کسی خلیفہ نے حضرت امام مالکؒ سے فتویٰ پوچھا تھا کہ خانۂ کعبہ کو گرا کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تعمیر کعبہ کے مطابق کردیا جائے تو کیا اس میں کوئی حرج ہے؟ حضرت امام مالکؒ نے جواب دیا کہ امیر المومنین! خدا کے لیے آپ بیت اللہ کو بادشاہوں کا کھلونا نہ بنائیں کہ ایک آئے تو اسے گرا کر اپنی مرضی کے مطابق بنائے اور دوسرا آئے تو پہلی بنی ہوئی عمارت گرا کر اپنی مرضی کے مطابق بنائے، اس طرح بیت اللہ کی عظمت و ہیبت لوگوں کے دلوں میں نہیں رہے گی، چناں چہ حجاج بن یوسف کی تعمیر کعبہ کے بعد سے اب تک اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔(۱۷۷)

بہ ہر حال حطیم کی بات ہو رہی تھی تو باتوں بات میں خانۂ کعبہ کی تعمیر کی بات نکل گئی، یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ حطیم کے تین میٹر کا جو حصہ جزءِ کعبہ ہے، اس میں نماز پڑھنا عین کعبہ میں نماز پڑھنے کے مترادف ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

> ''میں چاہتی تھی کہ بیت اللہ کے اندر داخل ہو کر نماز پڑھوں، تو آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے حجر (یعنی حطیم) میں داخل کردیا اور فرمایا: یہاں آ کر نماز پڑھ لو، اگر تم خانۂ کعبہ میں داخل ہونا چاہتی ہو، اس لیے کہ یہ بیت اللہ کا حصہ ہے''۔(۱۷۸)

ناچیز کو حطیم تک پہنچنے کا شرف حاصل نہ ہوسکا۔

میزاب رحمت :

یہ کعبہ کی چھت پر لگا ہوا پرنالہ ہے، اس کے ذریعہ بارش کا پانی یا چھت کی دھلائی کا پانی حطیم کی سمت میں گرتا ہے، بعض لوگوں سے منقول ہے کہ یہاں بھی دعا مقبول ہوتی ہے۔(۱۷۹) جب حطیم تک ناچیز نہیں جاسکا تو میزاب رحمت تک کیسے پہنچ سکتا تھا؟

مقام ابراہیم :

مقام ابراہیمؑ سے مراد وہ پتھر ہے، جسے حضرت اسماعیل علیہ السلام اٹھا کر لائے تھے، اس پتھر پر چڑھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کی، حضرت اسماعیلؑ پتھر لا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیتے جاتے تھے اور

حضرت ابراہیم علیہ السلام پتھر سے دیوار چنتے جاتے تھے، جیسے جیسے دیوار اوپر اٹھتی جاتی تھی، وہ پتھر بھی اٹھتا جاتا تھا، پھر جب نیچے آنے کی ضرورت پڑتی تھی وہ (مقام ابراہیم) نیچے آجاتا تھا، حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے والد محترم کو پتھر لا کر دے دیتے تھے، پھر خود بہ خود مقام ابراہیم اوپر چلا جاتا تھا، شاید اللہ تعالیٰ نے مقام ابراہیم میں الیکٹرک سسٹم فٹ کر دیا تھا، اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ کہا جاسکتا ہے۔

مقام ابراہیم کی حفاظت کے لیے مسلم حکمرانوں نے مختلف ادوار میں اپنے اپنے طور پر مختلف طریقے اختیار کئے، آج کل سعودی حکومت نے پیتل کے خول میں مقام ابراہیم کو رکھوا دیا ہے، اور اس کی جالی پر سونے کی پالش کرادی ہے اور باہر سے اس پر ۱۰ ملی میٹر کا شفاف شیشہ نصب کر دیا ہے، شیشے کی خوبی یہ ہے کہ وہ سخت حرارت میں بھی گرم نہیں ہوتا، ضرب لگانے سے ٹوٹتا بھی نہیں، شیشے کے اندر سے مقام ابراہیم پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے نشان صاف طور پر دکھائی دیتے ہیں—(۱۸۰)

مقام افسوس ہے کہ ناچیز مقام ابراہیم تک بھی نہیں پہنچ سکا، حالاں کہ طواف سے فراغت کے بعد دو رکعت واجب نماز مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھنا افضل ہے، قرآن حکیم میں واضح طور پر کہا گیا ہے:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ—(البقرۃ:۱۲۵)

ترجمہ: مقام ابراہیم کو مصلیٰ (جائے نماز) بنالو۔

یہاں مراد یہ ہے کہ مقام ابراہیم کے پاس (یعنی اس کے پیچھے) نماز پڑھو۔

بہ ہر حال ۱۳ر ستمبر ۲۰۱۷ء کو تقریباً ساڑھے سات بجے تک ہم لوگ طواف سے فارغ ہو کر عزیزیہ پہنچ گئے، مولانا حبیب الرحمن قاسمی صاحب روانگی کے لیے تیاری کرنے لگے پھر جدہ پہنچ کر ۱۲ر بج کر ۵۰ منٹ پر ایر انڈیا سے گیا کے لیے روانہ ہو گئے۔

مولانا حبیب الرحمن قاسمی صاحب ایک صالح، متقی اور باصلاحیت عالم دین ہیں، جن کو تفسیر، حدیث اور فقہ پر اچھی نظر ہے، اسلامی علوم کا مطالعہ وسیع ہے، ایک عمدہ خطیب بھی ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ موصوف بڑے مخلص، منکسر المزاج انسان ہیں، موصوف جب تک مکہ مکرمہ میں رہے، ہر قدم پر مجھے تعاون دیتے رہے، ان کے وطن چلے جانے کے بعد، ان کی کمی شدت سے محسوس ہوتی رہی، ان کے بعد کوئی ایسا رفیق سفر نہیں رہ گیا جو بے لوث ہونے کے ساتھ ایثار پسند بھی ہو۔

ناچیز کے گروپ میں دو مرد تھے، لیکن ان کے ساتھ ان کی بیگمات بھی تھیں، اس لیے ان سے زیادہ تعاون دینے کی امید نامناسب تھی، ان کے علاوہ کچھ اور احباب تھے جو ارکان حج سے فراغت کے بعد مارکیٹ سے سامان خریدنے میں مصروف ہو گئے۔

مولانا حبیب الرحمن قاسمی صاحب کی روانگی سے قبل ناچیز کے ایک عزیز رشتے دار اور شاگرد ڈاکٹر رئیس الاعظم المدنی

جو ”ہندوستانی سفارت خانہ“ ریاض میں مترجم اور قانونی مستشار ہیں، ناچیز سے ملنے کے لیے ریاض سے مکہ مکرمہ آئے تھے، ان سے میں نے کہا کہ آپ مولانا حبیب الرحمن قاسمی کے ساتھ میری فلائٹ کا انتظام کرادیں، تو انہوں نے کہا:

”آپ عزیزیہ میں مقیم ہیں، عزیزیہ کا پورا علاقہ حدودِ حرم میں داخل ہے، آپ مسجد حرام میں جاکر نمازیں ادا کریں یا اپنے روم میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کریں، آپ کو ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ملے گا، اس لیے عزیزیہ میں اپنے قیام کو مغتنم سمجھئے اور عبادت اور تلاوت قرآن کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کیجئے، ۱۷ ستمبر کو آپ کی فلائٹ ہے، کوئی زیادہ دن رہنا بھی تو نہیں ہے، اس لیے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔“

عزیزم ڈاکٹر رئیس الاعظم سلمہ کی بات معقول تھی، اس لیے میں نے ان کی بات مان لی۔

ناچیز کے شناساؤں میں مولانا محمد سلمان ندوی بھی حج کے لیے آئے تھے، ان کا قیام بھی عزیزیہ ہی میں تھا، لیکن کچھ فاصلے پر تھا، ان سے تقریباً ہر روز ملاقات ہوجاتی، آدمی صاحب علم ہیں، موصوف، حضرت مولانا عبدالرحمن ؒ سابق امیر خامس امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے پوتے ہیں، ان سے ملاقات ہوتی تو کچھ علمی باتیں کرکے طبیعت شادکام ہوجاتی۔

ناچیز کے علاقہ دیوراج سے بھی کئی حضرات حج کے لیے آئے ہوئے تھے جن میں جناب ماسٹر محمد ادریس صاحب کا نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے، وہ بھی بڑے خلیق اور ملنسار آدمی ہیں، کبھی ناچیز ان کے روم پر چلا جاتا اور کبھی وہ بھی چلے آتے، ناچیز جب ان کے روم میں پہنچتا تو بڑی خاطر مدارات کرتے، وہ بھی عزیزیہ ہی کے احاطے میں مقیم تھے، ان کے ساتھ ان کے چند اعزہ اور عورتیں حج کے لیے آئی تھیں، حاجی ماسٹر محمد ادریس سے مل کر بڑی خوشی ہوتی، وہ بھی ناچیز کا بڑا احترام کرتے۔

ناچیز کی بستی سے ناچیز کے علاوہ مولانا غیاث الدین اپنی بیگم صاحبہ کے ساتھ حج کے لیے آئے تھے، وہ ناچیز کے خاندان کے ایک عزیز ہیں اور شاگرد بھی، وہ بھی عزیزیہ ہی میں مقیم تھے، لیکن ناچیز کی رہائش سے بہت دور تھے، وہ ایک دن پوچھتے پوچھتے میری رہائش پر پہنچے، ان سے مل کر بڑی خوشی ہوئی کہ کم سے کم میری خاطر وہ مجھ سے ملنے کے لیے آئے، میری ناسازی طبع کا ان کو علم تھا، اس لیے بھی وہ خیریت معلوم کرنے کے لیے آگئے، اس خود غرضی کے زمانے میں یہ بہت بڑی بات ہے، ورنہ:

ہر چند کائناتِ دو عالم میں اے جگرؔ
انساں ہی ایک چیز ہے، انساں مگر کہاں؟
—(جگرؔ مرادآبادی)

مکہ مکرمہ میں جتنے دنوں تک قیام رہا، ناچیز کے گروپ کے الحاج ماسٹر محمد کوثر صاحب کی بیگم محترمہ شیدا صاحبہ دونوں

وقت کھانا پکا کر کھلاتی رہیں، ناچیز زندگی بھر ان دونوں میاں بیوی کے احسانات کو فراموش نہیں کرسکتا، ورنہ اپنا تجربہ تو یہی ہے:

کون کسی کا غم کھاتا ہے
کہنے کو غم خوار ہے دنیا
وقت پڑے تو کام نہ آئے
لکڑی کی تلوار ہے دنیا

—(مولانا ماہر القادریؒ)

ناچیز چائے پینے کا عادی ہے، وطن سے چائے کی پتی، چینی، دودھ کا پاؤڈر اور چائے بنانے کے لیے برتن بھی ساتھ لایا تھا، لیکن ناچیز کے گروپ کے رفقا کو چائے پینے کا شوق نہیں تھا، عزیزیہ بلڈنگ نمبر: ۴۵ کے سامنے روڈ کے جنوب میں کئی دکانیں تھیں، جن میں دو دکانیں ایسی تھیں، جن میں چائے بنتی تھی، ناچیز انہیں دکانوں میں سے کسی دکان میں جا کر چائے پیتا تھا، لیکن ناچیز کو تنہا چائے پینے میں لطف نہیں آتا، اس لیے کوئی بھی ساتھی مل جاتا اس کو لے کر چائے خانے میں جاتا، ایک کپ دودھ والی چائے دو ریال میں ملتی اور لیموں والی چائے ایک ریال میں، ایک کپ چائے مقدار میں اتنی ہوتی کہ دو آدمیوں کے لیے کافی ہوجاتی، ناچیز ایک کپ چائے لیتا اور اس کے ساتھ پلاسٹک کا ایک پیالہ بھی مانگ لیتا اور ہم دونوں آدمی پی لیتے، ناچیز جب تک عزیزیہ میں رہا روزانہ صبح وشام یہی معمول رہا، سچ پوچھئے تو ہوٹل میں جا کر چائے پینے میں جو لطف ملتا ہے، وہ گھر پر چائے بنا کر پینے میں نہیں ملتا۔

یہاں دیوبند کے طالب علمی کے زمانے کی ایک بات یاد آگئی، دیوبند کی جامع مسجد سے متصل ایک روم میں ناچیز کے موقوف علیہ اور دورۂ حدیث کے ایک ساتھی رہتے تھے، اس وقت ان کا نام بھول رہا ہوں، وہ پورنیہ ضلع (بہار) کے رہنے والے تھے، جامع مسجد کی جانب مشرق میں کچھ ہی دور کے فاصلے پر مشہور شاعر مولانا قمر عثمانی صاحب کا مکان تھا، ان دنوں میں مولانا قمر عثمانی سے مشورۂ سخن لیتا تھا، میں جب بھی جامع مسجد کی طرف جاتا تو اپنے مخلص دوست کے روم میں پہنچ جاتا، اور مولانا قمر عثمانی صاحب کو بھی بلا کر لے آتا، پھر چائے بنتی اور ہم لوگ شوق سے چائے پیتے، ایک روز مولانا قمر عثمانی صاحب نے فرمایا:

بھئی، ہوٹل میں جا کر چائے پینے میں جو لطف ملتا ہے، وہ گھر پر چائے بنا کر پینے میں نہیں ملتا، پھر انہوں نے مولانا عبدالمجید سالک مرحوم (۱۸۹۳ء—۱۹۵۹ء) کے یہ اشعار سنائے:

کیا پی جو اپنے ہاتھ سے گھر میں بنا کے پی
چائے کا مزہ جب ہے کہ ہوٹل میں جا کے پی

کیوں پی رہا ہے چائے کو تو پھونک پھونک کر
جلتے ہوئے گلاس کو منھ سے لگا کے پی
اچھا نہیں ہے چائے کی عادت کو چھوڑنا
بجڑی نہ دستیاب ہو تو گڑ ملا کے پی

پنجاب اور دیوبند کے اطراف میں چینی کو بجڑی کہا جاتا ہے۔

بہ ہر حال ۱۳ر ستمبر سے ۱۶ر ستمبر تک یہ روسیاہ کبھی تلاوت قرآن حکیم، کبھی دوستوں سے ملاقات اور کبھی کبھی چائے پی پی کر دل ناداں کو بہلایا کیا، ۱۷ر ستمبر کا دن گزار کر ۱۷ر ستمبر کی رات میں، سامان سفر درست کیا، ناچیز نے مکہ مکرمہ کے بازار سے اپنی نواسی مدحت ناصیہ کے لیے ٹرولی خریدی تھی، ناچیز کے ایک کرم فرما مولانا محمد فاروق صاحب نے اس ٹرولی میں اپنے سامان رکھ لیے، ناچیز چوں کہ مولانا موصوف کا ممنون احسان تھا، اس لیے اپنا سامان ایک بڑے بیگ میں (جس کو وطن سے لایا تھا) پیک کر کے اسے معلم کے اہل کاروں کے حوالہ کر دیا، انہوں نے اسے وزن کر کے حاجیوں کے سامان کے ساتھ جدہ ایرپورٹ کو بھجوا دیا، کچھ کھجوریں اور چند کتابیں ایک ذرا چھوٹے بیگ میں رکھ کر اپنے ساتھ لے لیا، اس کا وزن دس کلو گرام سے کم نہیں تھا۔

الوداع اے عرب کی پاک زمین :

سعودی وقت کے مطابق تقریباً ۱۱ر بجے دن میں پُرنم آنکھوں سے مکہ مکرمہ کو الوداع کہا، رخصت ہوتے وقت شہر امن وامان سے جدائی کی جو کیفیات دل و دماغ پر طاری تھیں، ان کو احاطہ الفاظ میں لانا مشکل ہے، البتہ استاد محترم مولانا ماہر القادری کی نظم ''حجاز سے رخصت ہوتے ہوئے'' کے حسب ذیل اشعار:

الوداع اے عرب کی پاک زمین ۞ تیرے ذرے ہیں رفعتوں کے امین
الوداع اے جہانِ ذکر وصلاۃ ۞ الوداع اے مقام عفو ونجات
الوداع ارض بے زراعت و کِشت ۞ الوداع اے نگاہ و دل کی بہشت
رخصت اے بوقبیس و کوہ صفا ۞ رخصت اے غارِ ثور و غار حرا
الفراق اے مقام ابراہیمؑ ۞ الوداع اے مطاف و رکن و حطیم
الوداع اے جوار بیت اللہ ۞ بے کسوں، غم زدوں کی جائے پناہ
تجھ کو ہر وقت ہے حضور نصیب ۞ بارک اللہ اے دیار حبیب
تیری مٹی میں ہے وفا کا خمیر ۞ رخصت اے سرزمین پاک ضمیر

الوداع اے حدودِ ملک حجاز ۞ رخصت اے قبلہ گاہِ اہل نیاز
تیری مٹی نہیں دفینہ ہے ۞ صدق واخلاص کا خزینہ ہے
تو زمیں پر خدا کی آیت ہے ۞ شام بھی تیری صبحِ جنت ہے
شان حق کا ظہور کیا کہنا ۞ تیری راتوں کا نور کیا کہنا
اے عناں گیر گردشِ ایام ۞ تیری شام وسحر کو میرا اسلام
سوئے خودبیں، بہ سوئے من منگر ۞ میری کوتاہیوں سے صرف نظر
ابھی باقی ہے میرے دل کی خلش ۞ اے کہ تو ہے جہانِ جذب وکشش
پھر مرے سامنے یہ منظر ہو ۞ پھر مجھے حاضری میسر ہو (۱۸۱)"۔

—(مولانا ماہر القادریؒ)

کسی قدر کیفیات دل کے عکاس ہیں :

۷ر ستمبر ۲۰۱۷ء کو سعودی ٹائم کے مطابق تقریباً ۱۱ر بجے دن میں بس کے ذریعہ جدہ ایر پورٹ کے لیے ہم لوگ روانہ ہوئے، بس کا ڈرائیور کوئی گنوار دیہاتی معلوم ہو رہا تھا، اس نے جدہ ایر پورٹ کا راستہ نہیں دیکھا تھا، ریگستانوں اور پہاڑوں کے درمیان خوب صورت سڑکوں سے گزرتا ہوا جدہ پہنچ تو گیا، لیکن تقریباً ۲ر گھنٹے تک اِدھر اُدھر بس دوڑاتا رہا، لیکن اس کو ایر پورٹ کا راستہ نہیں ملا، ڈرائیور کی بے بسی دیکھ کر سواروں میں سے ایک آدمی موبائل لے کر ڈرائیور کی بغل میں بیٹھ گیا اور موبائل سے ڈرائیور کی رہ نمائی کرتا رہا، بالآخر عصر کے وقت ہم لوگ جدہ ایر پورٹ پر پہنچے، بس سے اتر کر وضو کیا اور ظہر اور عصر کی نمازیں پڑھیں، کچھ ناشتہ کیا اور طیارے کا انتظار کرنے لگے۔

گیا کو پرواز کرنے والا طیارہ جب جدہ ایر پورٹ پر پہنچ گیا تو گیا جانے والے حجاج کرام ایر پورٹ کے احاطے میں داخل ہونے لگے، ناچیز کے ساتھ جو بیگ تھا وہ اتنا وزنی تھا کہ اس کو لے کر طیارے تک پہنچنا دشوار تھا، ایر پورٹ کے احاطے میں داخل ہو کر کچھ ہی فاصل پر پہنچا تھا کہ میں گر گیا، ایر پورٹ پر متعین ایک رضا کار نے دیکھا تو اس نے ایک کرسی لا کر مجھے دے دیا اور کہا کہ اس کرسی پر بیٹھ جائیے اور جیسے جیسے حجاج آگے کی طرف بڑھتے جائیں، آپ کرسی آہستہ آہستہ آگے بڑھاتے جائیں، اس طرح آپ اپنا بیگ لے کر مین گیٹ تک پہنچ جائیں گے، میں نے ایسا ہی کیا، جب مین گیٹ کے پاس پہنچا تو دو رضا کار میرے پاس آئے، ایک نے میرا بیگ اٹھا کر اسے مسافر خانے میں پہنچا دیا اور دوسرا رضا کار میرا بازو پکڑ کر مجھے مسافر خانے میں داخل کر دیا، وہاں ویزا اور ٹکٹ کی جانچ ہوئی پھر طیارے میں سوار ہونے کی اجازت مل گئی۔

ناچیز اپنا بیگ لے کے بہ دقت تمام طیارے تک پہنچا، اس دوران میں ناچیز کے گروپ کے حجاج نے مڑ کر بھی نہیں دیکھا کہ ناچیز کس حال میں ہے، بہ ہر حال بیگ کو لے کر سیڑھی کے ذریعہ طیارے میں داخل ہونا میرے لیے مشکل تھا، میں نے ارادہ کرلیا کہ بیگ کو نیچے چھوڑ کر طیارے میں داخل ہو جاؤں، اتنے میں ایک نوجوان میرے پاس آیا اور میرا بیگ اٹھالیا اور کہا کہ آپ طیارے میں جاکر اپنی سیٹ پر بیٹھ جائیں، جب آپ گیا پہنچ کر مسافر خانے میں جائیں گے تو آپ کو یہ بیگ نظر آئے گا، آپ اسے اٹھالیں گے، اس نوجوان کا میں نے نہ نام پوچھا اور نہ پتا معلوم کیا، اور طیارے میں سوار ہو کر ایک سیٹ پر بیٹھ گیا، میری بغل میں جناب محمد ثاقب صاحب (ڈہری آنسون بہار) بیٹھے ہوئے تھے اور ان کی بغل میں ان کی اہلیہ محترمہ بیٹھی ہوئی تھیں، مدینہ منورہ میں ریاض انس بلڈنگ میں ہمارے گروپ کے ساتھ ان دونوں میاں بیوی کا قیام رہا، محمد ثاقب صاحب اندرا گاندھی انٹرنیشنل ایرپورٹ نئی دہلی میں ایرونوٹیکل انجینئر کے عہدے پر فائز تھے، ان کی بیگم راقبہ سلطانہ صاحبہ اردو آنرس کر چکی تھیں، فارسی اور عربی میں بھی ان کی اچھی صلاحیت تھی، ان کو اردو ادب کا بھی اچھا ذوق تھا، یہ دونوں بڑے مخلص، شریف النفس اور سلیقہ مند انسان تھے، اس لیے ان سے اچھا خاصا تعلق ہو گیا تھا، ان کی موجودگی میں مجھے کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہوئی۔

تقریباً ۱۱ر بجے رات میں طیارے نے پرواز کی اور کچھ ہی دیر میں فضاؤں میں تیرنے لگا، ایک آدھ گھنٹہ کے بعد کھانا آیا، کھانے کے بعد غنودگی طاری ہونے لگی، چند گھنٹے کے بعد شارجہ ایرپورٹ پر طیارہ اترا، تقریباً ایک گھنٹہ وہاں رکا رہا، پھر گیا کے لیے پرواز کر گیا۔

طیارے میں جناب محمد ثاقب صاحب نے یہ بات بتائی کہ نہ صرف ایرانڈیا بلکہ اکثر ممالک کے طیاروں کا کنٹرول اسرائیل کے زیر انتظام ہے، اس کے عوض اسرائیل ان ممالک سے زر کثیر وصول کرتا ہے، یہ جان کر تعجب ہوا اور افسوس بھی کہ ہمارا ہندوستان ہو یا اسلامی ممالک، سائنس اور ٹکنالوجی میں آج بھی وہ اسرائیل کے دست نگر ہیں۔

بہ ہر حال ۱۸ر ستمبر ۲۰۱۷ء کو تقریباً دس بجے دن میں طیارہ گیا ایرپورٹ پر پہنچ گیا، وہاں ایک روم میں مشین کے ذریعہ سامان چیک کیا گیا، اس کے بعد اپنا بیگ لے کر مسافر خانے میں آیا تو دیکھا کہ بالکل سامنے وہ بیگ جسے جدہ ایرپورٹ پر ایک نوجوان نے مجھ سے لے لیا تھا، رکھا ہوا تھا، میں نے دونوں بیگ کو ایک ٹھیلے پر رکھوا دیا، اسے باہر حاجیوں کے لیے لگائے گئے شامیانے کی طرف لے جانا چاہا تو اسی وقت گیا کے مختلف مدارس کے طلبہ جو حاجیوں کو تعاون دینے کے لیے آئے ہوئے تھے، وہ ٹھیلے کو شامیانے میں لے گئے اور بیگ اتار کر وہاں رکھ دیا، ان میں اکثر طلبہ گیا کی ایک چاکند نامی بستی کے رہنے والے تھے، انہوں نے بتایا کہ وہ مدارس میں پڑھتے ہیں اور یہاں حاجیوں کی خدمت کے لیے آئے ہیں۔

مغربی چمپارن کے کچھ حجاج تو اپنی نجی سواریوں سے وطن کے لیے روانہ ہو گئے، ہم آٹھ افراد بچ گئے، ہم نے کرائے

پر ایک بس لے لی، ضروریات سے فارغ ہو کر ایک ہوٹل میں ہم نے دو پہر کا کھانا کھایا، کچھ دیر آرام کیا، اسی دوران میں گیا کے رضا کار طلبہ نے ہمارے سامان لے جا کر بس کی چھت پر رکھ دیئے، اللہ تعالیٰ ان تمام طلبہ کو ہمیشہ شاد کام رکھے اور انہیں دین و دنیا میں سرخ روئی عطا کرے، آمین!

تقریباً ۴/ بجے شام کو ہم بس پر سوار ہو گئے اور بس منزل کی طرف روانہ ہو گئی، مظفر پور سے کوئی پانچ سات کلو میٹر آگے ہماری بس ایک ہوٹل کے پاس کھڑی ہوئی، بس سے اتر کر استنجا وغیرہ سے فارغ ہو کر ہم نے ہلکا ناشتہ کیا، چائے پی، پھر بس پر سوار ہو کر منزل کی طرف بڑھنے لگے، ابھی کوئی ایک ڈیڑھ کلو میٹر کا فاصلہ طے کیا ہو گا کہ تیز ہواؤں کے ساتھ موسلا دھار بارش ہونے لگی، چھت پر رکھا ہوا سارا سامان بھیگ گیا، بجلی کی کڑک اور گرج نے ہمارے دلوں میں خوف کا یہ احساس:

ابھی اے ہم سفر! حد نظر سے دور ہے منزل
نہ کھو جانا کہیں نزدیکِ آثار منزل میں
—(روشن صدیقی مرحوم)

پیدا کر دیا۔

ڈرائیور بڑا ہوشیار تھا، وہ اپنی رفتار سے بس کو آگے بڑھاتا رہا، اللہ اللہ کر کے تقریباً ڈھائی بجے رات میں ہماری بس بتیا پہنچی تو بارش اور ہواؤں کا زور تھم چکا تھا، اس لیے خوشی ہوئی کہ اب ہم اپنی اپنی منزل پر بہ عافیت پہنچ جائیں گے:

سفینہ اہل حق کا یوں بھی طوفانوں سے گزرا ہے
کہ موجیں سر جھکا کے چھپ گئیں دامانِ ساحل میں
—(روشن صدیقی مرحوم)

الحاج ماسٹر کوثر صاحب اور ان کی اہلیہ محترمہ بتیا ہی میں اتر گئے، بتیا مغربی چمپارن کا صدر مقام ہے، بتیا سے جانب مغرب میں کوئی ۳۰/ کلو میٹر کے فاصلے پر لوریا (Lauriya) نامی قصبہ ہے، ناچیز کے علاقے کا تھانہ اور انچل یہیں ہے، لوریا ایک تاریخی جگہ ہے، یہاں گوتم بدھ (پ ۵۶۸ قبل مسیح، موت ۴۸۸ قبل مسیح)—(۱۸۲) کے پرستار راجا اشوک (پ ۳۰۴ قبل مسیح، موت ۲۳۲ قبل مسیح)—(۱۸۳) کا ''لاٹ'' ہے، قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس ''لاٹ'' پر دکھن جانب تقریباً ڈیڑھ فٹ اوپر ''کلمہ طیبہ'' کندہ کیا گیا ہے اور اس کے ٹھیک نیچے نہایت ہی خوش خط میں محی الدین اورنگ زیب عالم گیر غازی ۱۰۷۱ھ کندہ ہے، سن پر ہجری کی علامت مٹ گئی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب عالم گیرؒ (۱۶۱۸ء-۱۷۰۷) کا لوریا (چمپارن بہار) سے گزر ہوا ہو، لہٰذا انہوں نے اشوک کے لاٹ پر کلمہ طیبہ کے ساتھ اپنا نام کندہ کرا دیا، یہ بھی ممکن ہے کہ لوریا (بہار) کی طرف سے بادشاہ کی فوج گزری ہو اور اس نے بہ طور یادگار اس لاٹ پر مذکورہ بالا تحریر کندہ کرا دی ہو۔

بہ ہرصورت ''لوریا'' کی تاریخی حیثیت مسلم ہے، یہاں لاٹ کے علاوہ اور بھی اشوک کے آثار موجود ہیں، لوریا جب بس پہنچی تو وہاں ہمارے دو رفقائے حج اترے۔

لوریا سے پچھم کی طرف ۷ رکلومیٹر کے فاصلے پر بیاس پور بس اسٹینڈ ہے، جہاں ناچیز کو اترنا تھا، چار بجے صبح میں بس بیاس پور پہنچی، ناچیز وہاں اپنے سامان کے ساتھ اتر گیا، اور بس اپنی آخری منزل رام نگر (مغربی چمپارن) کے لیے روانہ ہوگئی، جہاں تین رفقائے حج کو جانا تھا۔

بیاس پور سے اتر کی طرف ایک کلو میٹر کی دوری پر ناچیز کا گاؤں سکٹا ہے، گھر سے سواری آئی تھی، اس پر سوار ہو کر ناچیز اپنے غریب خانے پر صبح سویرے پہنچ گیا، خدائے کریم کا بے انتہا احسان ہے کہ اس نے بیماری کی بے بسی میں حج کرنے کی سعادت بخشی اور ۱۹رستمبر ۲۰۱۷ء کی صبح کو وطن مالوف پہنچا دیا، انتھیٰ سفری و کل شیء لہ انتھاء.

—(جاری)

مآخذ و حواشی :

(۱۷۱) حوالہ بالا ص: ۴۷ بحوالہ سنن ابن ماجہ مناسک حدیث نمبر: ۲۹۶۲ حسن
(۱۷۲) مولانا محمد رابع ندوی، جزیرۃ العرب، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ ص: ۲۲۵
(۱۷۳) ڈاکٹر محمد الیاس عبد الغنی، تاریخ مکہ مکرمہ، مطابع الرشید، المدینۃ المنوۃ ص: ۴۸
(۱۷۴) حوالہ بالا ص: ۵۰ بحوالہ صحیح بخاری حدیث نمبر: ۱۵۸۶، صحیح مسلم حدیث نمبر: ۱۳۳۳
(۱۷۵) حوالہ بالا ص: ۴۹
(۱۷۶) حوالہ بالا ص: ۵۱ بحوالہ مسلم شریف الحج حدیث نمبر: ۱۳۳۳
(۱۷۷) حوالہ بالا ص: ۵۱
(۱۷۸) حوالہ بالا ص: ۵۰
(۱۷۹) حوالہ بالا ص: ۵۱
(۱۸۰) حوالہ بالا ص: ۷۵ تا ۸۱
(۱۸۱) مولانا ماہر القادری فاران کا ماہر القادری نمبر شمارہ دسمبر ۱۹۷۸ء ناظم آباد کراچی پاکستان ص: ۱۳۵ تا ۱۳۷
(۱۸۲) مولوی فصیح الدین بلخی عظیم آبادی، تاریخ مگدھ (صوبہ بہار کی مکمل تاریخ مطبوعہ خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ ص: ۱۵
(۱۸۳) انٹرنیٹ سے ماخوذ

❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋

آنکھیں ہیں اشک بار کہ رہبر چلا گیا

● جناب ڈاکٹر سید شاہ شمیم احمد گوہر مصباحی ـــــ سجادہ نشیں خانقاہ حلیمیہ ابوالعلائیہ چک الہ آباد

عاشق رسول، عالم کامل، محقق مصنف اور صاحب نظر شخصیت علامہ حضور سید شاہ ھلال احمد قادری (علیہ الرحمۃ والرضوان) کی وفات نے دنیائے اسلام اور بزم علم وادب میں صدمہ وآہ کا جو گہرا اثر چھوڑا ہے، اسے بھلایا نہیں جاسکتا، علم وادب اور تفقہ و تصوف کی محفل میں ایسے حضرات بہت کم ہوتے ہیں جو اپنے علمی وقار اور اوصاف ومحاسن کی روشنی دور دور تک لکھوا سکیں۔

حضرت علیہ الرحمہ جہاں بہت سارے اوصاف ومحاسن اور خوبیوں کے مالک تھے، وہیں بذلہ سنجی اور طنز ومزاح سے بھی گہری دلچسپی تھی، یہ ایسی صفت تھی کہ محفل پر چھا جاتے، اس کا اندازہ مجھے کئی ملاقاتوں کے بعد ہوا۔ حضرت علیہ الرحمۃ اور ابی المغفور حضرت علامہ الحاج حکیم سید شاہ عزیز احمد حلیمی علیہ الرحمہ کے مابین بہت قدیمی تعلقات و مراسم تھے ایک دور تھا کہ انتہائی پابندی کے ساتھ والد گرامی ہر سال سالانہ عرس وفاتحہ کے موقع پر پھلواری شریف جایا کرتے تھے، یہ خاکسار بھی متعدد بار ساتھ میں رہا، وہیں میں نے دیکھا کہ حضرت علیہ الرحمہ کی گفتگو میں کس قدر شیرینی ولطافت ہے کہ مزاح کا پہلو اجاگر کرتے تو سبھی مسکرانے لگتے یا اشارہ وکنایہ پر حیرت واستعجاب میں مبتلا ہو جاتے۔ والد گرامی کے وصال کے چند برسوں بعد جامعہ عارفیہ سید سراواں پریاگ راج (الہ آباد) اپنے صاحبزادے کے داخلے کی غرض سے حضرت مرحوم تشریف لائے تو خانقاہ حلیمیہ ابوالعلائیہ میں بھی آنے کی زحمت فرمائی۔ میں چند افراد کے ساتھ خانقاہ میں موجود تھا، حضرت کو اچانک دیکھ کر جوش مسرت میں ڈوب گیا، مگر کیا عرض کروں کہ حضرت کا پرتپاک انداز اور والہانہ پن میری ساری مسرتوں پر حاوی ہو گیا۔ میں نے استقبال وخیر مقدم کیا، چند لمحوں کے بعد گفتگو اور تبادلہ خیال کا سلسلہ شروع ہوا۔ مجھے ایک بار پھر محسوس ہوا کہ علمی وتحقیقی حوالوں پر حیرت کروں یا مزاحیہ اسلوب پر ہنس پڑوں۔ تقریباً بیس یا بائیس سال کا عرصہ گذرا کہ جناب بدرالدین خاں صاحب مرحوم کے صاحبزادے جناب نظام الدین بھائی سابق کارپوریٹر نگم احمد گنج پریاگ راج کا نکاح پڑھانے بھی یہاں حضرت شاہ ھلال احمد صاحب علیہ الرحمۃ تشریف لائے، حضرت والد گرامی اور یہ خاکسار بھی اس تقریب میں موجود تھا، بیشتر حاضرین نے حضرت علیہ الرحمۃ کا

والہانہ استقبال اور مسرتوں کا اظہار کیا۔کھانا کھانے کے دوران ہم تینوں افراد ساتھ بیٹھے اس مختصر سے وقفہ میں بھی حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے مخصوص مزاحیہ جوہر سے محظوظ ولطف اندوز کیا۔

حضرت علیہ الرحمہ اپنی انکساری وخاکساری کے اہتمام پر آنچ نہ آنے دیتے،عالم دین اور خانقاہی ہونے کے پیش نظر رنگ تصوف سے گہرا تعلق تھا،طرزِ متصوفانہ کے عاشق،ایک مصدقہ اطلاع کے مطابق صوفیوں کی طرح لذت کام ودہن سے بالکل شغف نہ رکھتے،سادہ کھانے پر اکتفا فرماتے۔لکھنے پڑھنے اور تحقیقی مشاغل کو ہمیشہ مطمح حیات اور مقصود زندگانی سمجھا،حلقۂ علم وادب میں آپ کی بیش بہا تصانیف ومضامین کو ہمیشہ قدر وادب کی نگاہ سے دیکھا گیا،جیسا کہ خصوصی نمبر میں شامل بیشتر نگارشات سے ثابت ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری علیہ الرحمہ کی نیکیوں،خوبیوں اور دینی خدمات کا صلۂ عظیم عطا فرمائے اور تربت اقدس پر رحمتوں کی بارش کرے۔آمین!

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

شرح اشتہار

سہ ماہی مجلہ المجیب

دنیائے علم وادب کا مقبول عام سہ ماہی مجلہ ''المجیب''خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ کا ترجمان—ایک دینی،علمی وادبی مجلہ ہے جو کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ملک وبیرون ملک ہر جگہ اس رسالہ کو کی غیر معمولی مقبولیت حاصل رہی ہے۔یہ رسالہ علماء،ادباء،معلّمین ومتعلّمین،افسران وعہدہ داران بلکہ ہر خاص وعام کے ذوق مطالعہ میں رہتا ہے—اور ہر طبقہ وجماعت کے لوگ اس سے استفادہ کرتے ہیں۔

لہٰذا باذوق تاجرین اور تنظیم وتحریک کے مالکان سے پرخلوص گذارش ہے کہ اس مقبول ترین رسالہ میں اپنا اشتہار دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں—اور اپنے نام وپتہ کے ساتھ پیشگی رقم ارسال فرمائیں۔اشتہارات کی تفصیل حسب ذیل ہے:

ملٹی کلر اشتہار

پشت سرورق	مکمل صفحہ	8,000/-	نصف صفحہ	4,000/-	چوتھائی صفحہ	2,000/-
اندرون سرورق	مکمل صفحہ	7,000/-	نصف صفحہ	3,500/-	چوتھائی صفحہ	1,750/-

سادہ اشتہار

اندرون مجلہ	مکمل صفحہ	5,000/-	نصف صفحہ	2,500/-	چوتھائی صفحہ	1,250/-

خواہش مند حضرات اپنے اشتہارات کے ساتھ پیشگی رقم کا چیک یا ڈرافٹ ادارہ کو پہلی فرصت میں مرحمت فرمائیں تاکہ ان کے آرڈر کو حتمی شکل دی جاسکے۔چیک یا ڈرافٹ کے ذریعہ رقم ارسال کرتے وقت صرف "DARUL ESHA'AT" تحریر کریں۔

The giant tree got uprooted

● **Engineer S. M. Ali Asad**
Riyadh (Saudi Arabia)

It was 11th Moharram-ul-Haraam 1441, the giant tree got uprooted. The world rocked that day. Allah the Hakim conferred the martyrdom to Hazrat Moulana Syed Shah Helal Ahmad Quadri Mujeebi RA who must have longed to meet his Creator and the Creator's darling Syedna Moulana Nabi-e-Aazam Alahis Salaam ﷺ and the merciful progeny AS of the Master of Worlds ﷺ and the magnificent ancestors of Khanquah Mujeebia and his great towering benefactors and father figures–Hazrat Peer-e-Kamail Moulana Syed Shah Amanullah Quadri RA, Hazrat Moulana Syed Shah Nizamuddin Quadri RA and Hazrat Moulana Syed Shah Ain Ahmad Quadri RA. It was the pandemic which snatched Hazrat Moulana Syed Shah Helal Ahmad Quadri Mujeebi RA from us to cause an orphanage to entire society who used to benefit on daily basis from him.

What a giant tree he was! He RA blessed everyone who came in his holy and loving contact. The saying of Syedna Moula Ali AS is perfect on him that to bring a person to right true path is better than making charity of 100 golden camels. And Hazrat Moulana Syed Shah Helal Ahmad Quadri Mujeebi RA in fact used to make daily charity of 100 golden camels; the way he imparted the supreme words of haqq, the higher truths with masterly hikmah to seekers and non-seekers alike. The knowledge of Book of Allah Almighty and of prophetic traditions were so deep delved in him as he was a powerful thinker and an ardent analyzer. The cohesive talks he delivered in his melodious voice left indelible impacts on hearts and minds. Hazrat Moulana Syed Shah Helal Ahmad Quadri Mujeebi RA was such a scholar of Khanquah Mujeebia,

Phulwari Sharif that nobody matched in his times for some great manifest reason – the painstaking researches he conducted in all matters related to deen and its' shariat and tasavuuf – the perfection of deen - and its' ramifications. All his books are light upon light to the readers' heart – are all masterpieces for learning and embedding Imaan and to rectify deviant thoughts and misbeliefs. His lectures on Zikr-e-Shahadat Karbala of Syedna Imaam Hussain AS are so powerful and lucid to cause faith – the Imaan to flourish and achieve strength. Hazrat Moulana RA was perfect mosaic of knowledge of the Book, the traditions, fiqh and history and articulated the same in great terms to masses. The exteriors are so impressive of this giant tree, so how will be his interiors, the secrets can only be delineated by person of his RA caliber.

Hazrat Moulana Syed Shah Helal Ahmad Quadri Mujeebi RA presence in any gathering was a perfect feeling of endless bliss, a fayz-e-roohani – emanations for all participants. All kinks of hearts were resolving with his farsightedness, the farasat which often caused awe in hearts. The lovely gestures and his passionate smiles did wonders on men who sought from him. A champion of Tawheed and explained oneness of Allah Subhanahutaala using the perfect methodology that Qur'an-e-Karim is to be understood not in parts but in most comprehensive way that spirit of Qur'an is always held supreme. How he used to identify the corruption causing breakaway groups of religion was marvelous and put his solid efforts for rectifications to the sheer pleasure of Allah and His Habib ﷺ What a massive service in Allah's path!

Moulana Syed Shah Helal Ahmad Quadri Mujeebi RA used to explain dimensions of faith and one such an important dimension of faith, he once explained is حیات برزخ *(The Life of Isthmus).*

It is stated in the Qur'an:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴿۱۵۴﴾ (البقرۃ)

And do not say about those who are slain in the path of ALLAH dead. Rather, they are alive but you have no perception (of their life). (Al Qur'an 02:154)

On another place in the Qur'an, the same phenomenon is explained as:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۝

And do not ever think of those slain in the path of ALLAH as dead. Rather, they are alive in the presence of their Lord and they are provided sustenance. (Al Qur'an 03:169)

In the first Ayah, ALLAH Stresses on "لاتقولوا" i.e. "Do not Say" and Ends Up with "وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ" i.e."because you do not perceive". The first question is: When do we say something?? We say only when we have something in our mind. And our mind can only possess which is within the limits of perceptibility. Anything above the limits of intellect or perceptibility falls into the category of ایمان بالغیب which is the first requirement of المتقین (Al-Baqarah 02:03). So, ALLAH guides us in this Ayah – never say about something which lies out of your perception and hold your tongues otherwise you will not be in the category of المتقین.

In the second verse, ALLAH Emphasizes "لَاتَحْسَبَنَّ" i.e. 'Do not think' – here ALLAH suddenly points out the faculty of thought and warns us to rein our thoughts (not tongues this time – one step ahead) because in this place ALLAH Mentions مقام قرب of His عندیت in the words عِنْدَ رَبِّهِمْ with a mention of special sustenance meant for His مقربین.

We must know that all AWLIYA' ALLAH are SHUHDA-E-AKBAR. One can refer to this Hadith quoted by Imam Bahaiqi. On the occasion of returning from the Battle of Tabuk, the Beloved Prophet ﷺ said:

رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر

We returned from the smaller Jihad to the bigger one.

When someone asked the Beloved Prophet ﷺ what is the bigger Jihad. He replied, Jihad Al-Qalb the battle against self or the struggles of the heart.

All Awliya' Uzzam RA throughout their entire lives remain busy in Jihad-ul- Akbar and give away their lives in Allah's path, hence ranked as Shuhuda-e-Akbar placed under remarkable sustenance with ALLAH ALMIGHTY as mentioned by Him in the words "يُرْزَقُوْنَ" Do the dead need rizq?

There is another sign for "اَلْمُتَّقِيْنَ" i.e. they spend from whatever sustenance they are provided from ALLAH وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ Al Qur'an 02:03. So, when Awliya' ALLAH are alive in the graves and they are provided sustenance, they can spend these bounties to other people (visiting shrines, doing khatam shareef etc.) if ALLAH ALMIGHTY Wills in order to establish His شان ربوبیت and to encourage people to follow the path of اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

Such were the deep explanations imparted by Hazrat Moulana RA.

He used to explain the numerous signs of a sickness of the heart. The first of them, is finding it difficult to live by the purpose of our creation, which is

to know Allah The Almighty, love Him, yearn to meet Him, turn to Him in repentance and to prefer doing all this to any other desire. Indeed, whoever gives precedence to his or her whims, over the love of, and obedience to, his or her Lord, then his or her heart is certainly diseased.

The meaning of "remember [Allah]" in both verses, refers to the act of bearing in mind His magnificence, His threats and His punishments, and so, they seek His forgiveness. On the other hand, the one who has a diseased heart will keep on committing sin upon sin.

Hazrat Moulana RA used to stress –The Prophet ﷺ said: "He would taste the sweetness of faith, who is content with Allah as [his] Lord, with Islam as [his] religion and with Muhammad ﷺ as [his] Prophet." He ﷺ also said: "No man from among you will have [perfect] faith, until he loves me more than his own self, children, family and all mankind."

The human heart is mentioned (132) times in the Glorious Qur'an, besides several other notions under 50th the metaphoric expressions "human chest" or the inner in both the singular and the plural forms. Of these Qur'anic statements, some describe this sentient organ as having the capacity of being a center of reasoning, intentions and decision – making. Consequently, human hearts can either be healthy or diseased. Healthy (or soft hearts) can have their humane attitude and balanced rational, while diseased (or hard, stony) hearts can lose both their humane touch and their capacity to see and understand. Such Qur'anic emphasis on the role of the human hearts in the mental, emotional and spiritual decisions of man came down more than 14 centuries ago, while physicians have– for centuries – been restricting the function of the human heart to the mere process of pumping the blood throughout the human body.

It is recently proven that the human heart is as sentient as the human brain, if not much more, as it has its own form of intelligence. Not only this, but it has been proven experimentally that the human heart does influence the brain's thinking capacity, and hence its physical capability of accepting, comprehending and storing knowledge. It has also been proven that the human heart communicates with both the brain and the rest of the human body neurologically (through the nervous system), biophysically (through pulse waves), biochemically (through certain hormones) and electromagnetically (through energetic waves). The human heart's electromagnetic field is the most

powerful rhythmic field produced by the human body. It envelopes every cell in that body, and extends out in all directions into the space surrounding it, as an important carrier of information.

Hazrat Moulana Syed Shah Helal Ahmad Quadri RA was so deep and subtle at the same time. Everyone wanted his company and all the lucky ones had it. People wept overwhelmingly on his demise. The great soul is not among us but his fayz-e-roohani – emanations will keep nourishing all his followers, lovers and seekers.

The knower has left, but his fame booms.
For he opened the bottle of perfume, so nourishing.
The lover has left, but his meritocracy gushes
For he craved for His sake for the Mercy of the worlds.

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

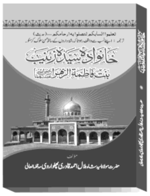

خانوادۂ سیدہ زینب
بنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہما

★ یہ کتاب حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک علمی و تحقیقی تالیف ہے، جو آل زینب کے نسب کی تحقیق، پھلواری شریف میں آباد خانوادۂ سیدہ زینب کے انساب کی تفصیل اور اعقاب سیدہ زینب کے ذکر میں ایک مستند اور محقق دستاویز ہے۔

★ اس کی تالیف میں دوسری صدی ہجری سے لے کر اب تک کی پچاس نادر و کمیاب اور مستند کتابوں کے ذریعہ نسب زینبی کے ابقاء و اجراء کی اسناد بہم پہنچائی گئی ہیں جو علم و تحقیق کی دنیا میں ثقہ اور مستند سمجھی جاتی ہیں اور علم انساب میں بنیادی حیثیت کے حامل ہیں۔

★ یہ تالیف منیف متواتر و مستند مصادر و مآخذ سے مراجعت کی بنا پر ایک ایسا گنجینۂ تاریخ بن گئی ہے جو آئندہ خود حوالے کے طور پر استعمال کی جائے گی، اسے تالیف کر کے حضرت مؤلف نے علم انساب کی دنیا میں ایک اہم خدمت انجام دی ہے، جس کی عظمت و اہمیت کا اعتراف اکابرین خانقاہ کے علاوہ دیگر ارباب علم وفن اور ماہرین علم انساب نے بھی کیا ہے اور اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

★ دیدہ زیب طباعت اور خوش نما سرورق سے مزین 224 صفحات پر مشتمل یہ کتاب صرف -/200 روپے میں دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف سے حاصل کریں۔

رابطہ: +91-9006306098, 7250433562

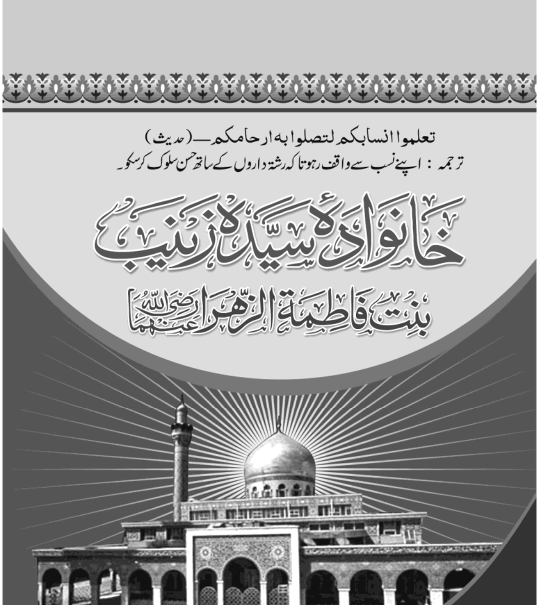

قندِ پارسی

● حضرت مولانا حافظ شاہ شہاب الدین ثاقبؔ قادری پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ

از من چہ می پرسی تو وصفِ ابروئے خمدارِ او ❁ گوئم ہلال آمد برون از طلعتِ رخسارِ او

چشمے کہ می دارد شرف از دولتِ دیدارِ او ❁ جان و دلم قربان کنم بر قسمتِ بیدارِ او

اے بادِ صبح جان فزا اندر مشامِ جانِ من ❁ تو می فشان از نفحۂ گیسوئے عنبر بارِ او

میخانہا منت کش احسانِ دور جامِ او ❁ سرشاریٔ بادہ کشان از نرگسِ سرشارِ او

از ما چہ می پرسد کسی احوالِ بیماریٔ دل ❁ گوئیم می چینیم درد از نرگسِ بیمارِ او

من قربِ او می جویم و جستن مرا کارم ولے ❁ ہر لحظہ با من سازگار بودنش این کارِ او

صد جان بگرد پاے او دارند امیدِ کرم ❁ و از دیدۂ دلہا نگاہے ہست بر رفتارِ او

در دیدۂ و در سینۂ و اندر ہمہ کون و مکان ❁ معمور می بینم ہمہ از پرتوِ انوارِ او

روزے حجاب از روئے خود آن شمعِ عالم برکشد ❁ تا باز بیند عالمے جان بازیٔ انصارِ او

یا بر رواقِ دیدہ ام یا در حریمِ سینہ ام ❁ ہر جا کہ خواہد سرفراز د منزلِ او دارِ او

اے کاش جاروئی کویش را مرا بخشد شرف ❁ این التجاے من بہ پیشِ خادمِ دربارِ او

دشواریٔ رہ کے شود عشقش کند گر رہبری ❁ کس چون نہ بر منزل رسد یاری دہد گر یارِ او

در قیل و قالِ مدرسہ در حلقۂ اہلِ صفا ❁ ہر لحظہ ذوقِ ذکرِ وصفِ لعلِ شکر بارِ او

طرزِ سخن در مدحِ لعلِ او اگر داند کسی
ثاقبؔ بگو حاصل کلام از معنیٔ گفتارِ او

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

عریضہ بہ بارگاہ رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بموقع سفر عمرہ و زیارت حرمین شریفین زادھما اللہ تکریماً و تشریفاً

● محمد آیت اللہ قادری پھلواروی

رنگ و رعنائی حیات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
رونق بزمِ شش جہات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آپ ہی کے وجودِ نوری سے
تاباں تاباں یہ کائنات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بے کسوں، بے نواؤں کے والی
آپ ہیں باعث نجات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آپ محبوبِ حق، امامِ رُسل
کیا کہیں آپ کی صفات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

السلام اے نویدِ صبحِ نشاط
بڑھتی جاتی ہے اپنی رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اپنے آیتؔ پہ اک نگاہِ کرم
اے سراپائے التفات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

نعت شریف

● وارث ریاضی — کاشانہ ادب، سکٹا دیوراج، بسوریا، مغربی چمپارن

انہی کو محفلِ توحید کا مسند نشیں کہیے ❁ انہی کو داعیِ دینِ خدائے آفریں کہیے
انہی کو ہادیِ حق، صادق الوعد و امیں کہیے ❁ زمانے کا معلم، قاسمِ خلدِ بریں کہیے
نوازا تھا خدا نے جن کو اعزازِ نبوت سے ❁ انہی کی مغتنم ہستی کو ختم المرسلیں کہیے
وہ جن کی ذات پر قرآن کو نازل کیا حق نے ❁ انہی کو کاشف اسرارِ قرانِ متیں کہیے
وہ جن کے دم سے حکمت کا جہاں میں بول بالا ہے ❁ انہی کی ذات کو سرچشمۂ علم و یقیں کہیے
فلک پر ماہ و انجم ضوفشاں ہیں جن کے جلوؤں سے ❁ انہی کو آسمانِ نور کا شمس مبیں کہیے
جو دنیا بھر کے سارے بے سہاروں کا سہارا تھا ❁ انہیں عالَم کا محسن، رحمۃ للعالمیں کہیے
کیا اللہ نے جن کو مشرف دید سے اپنی ❁ انہی کی شخصیت کو واصل عرشِ بریں کہیے
دلِ انساں کو سوزِ دل سے گرمایا ہے جنہوں نے ❁ انہی کے سوزِ دل کو روحِ ایمان و یقیں کہیے
وہی سب سے مقرب ہیں خدا کے، ساری دنیا میں ❁ جو ان سے قرب رکھتا ہے، اسے رب کے قریں کہیے

انہی کی پیروی میں ہے نہاں امن و اماں وارثؔ
انہی کی پیروی کو حاصل دنیا و دیں کہیے

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

خانقاہ عالم پناہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ کے زیب سجادہ

جناب حضور الحاج مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی

کے عمرہ اور زیارت حرمین شریفین کے مبارک سفر سے واپسی پر

منظوم نذرانۂ عقیدت

● جناب غلام سعدی قادری — کولکاتہ
موبائل نمبر: 8697468111

رہبرِ دین و شریعت آیت اللہ قادری ❁ ناز بردارِ طریقت آیت اللہ قادری
چشمِ سر سے تاجدارِ دو جہاںؐ کا پاک در ❁ کر کے آئے ہیں زیارت آیت اللہ قادری
دور تک اور دیر تک پھیلی رہے گی روشنی ❁ شمعِ رشد و ہدایت آیت اللہ قادری
ایک عالَم، دستِ حق سے ہو رہا ہے فیض یاب ❁ ہیں بزرگوں کی امانت آیت اللہ قادری
رنگ و بوئے سیرتِ اصحابِ محبوبِ خداؐ ❁ داعیٔ حق و صداقت آیت اللہ قادری
ناصرِ ملتؒ نے فرمایا تھا "پھلواری شریف" ❁ ہے سراسر عقیدت آیت اللہ قادری

شاہ مجیب اللہؒ کے در کا گدا سعدیؔ بھی ہے
کیجئے لطف و عنایت آیت اللہ قادری

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

تہنیت

● جناب رباب رشیدی صاحب— لکھنؤ
موبائل نمبر : 9335018112

ارضِ حرم سے آئے ہیں آیت اللہ قادری ❁ کتنے نصیب والے ہیں آیت اللہ قادری
سرکارِ دو جہاں کہ نشاط و قرارِ جاں ❁ ان کے ہی سلسلے سے ہیں آیت اللہ قادری
شغل درودِ پاک سے ماحولِ خانقاہ ❁ پاکیزہ تر بنائے ہیں آیت اللہ قادری
آماج گاہِ خلق ہے پھلواری آج تک ❁ وہ سلسلہ چلائے ہیں آیت اللہ قادری
فیضان ان سے رشد و ہدایت کا موجزن ❁ روشن چراغ جیسے ہیں آیت اللہ قادری
ان کے نیاز مند دل و جاں سے ہیں نثار ❁ کچھ ایسے پیش آتے ہیں آیت اللہ قادری

جی چاہتا ہے جلد ربابؔ ان سے ہم ملیں
ایسا لگے بلاتے ہیں آیت اللہ قادری

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

درشان حضرت مولانا سید شاہ ھلال احمد قادریؒ

● جناب ڈاکٹر سید شاہ شمیم احمد گوہر مصباحی — سجادہ نشیں خانقاہ حلیمیہ ابوالعلائیہ چک الہ آباد

چہ جاہ و مرتبہ تُرا حاصل شہِ ھلال ❁ اہل جنوں را تابش منزل شہِ ھلال

در سینۂ تو جذبۂ کامل شہِ ھلال ❁ گوید جہان لائق و قابل شہِ ھلال

تو عاشق رسولِ خدا فرد باوقار ❁ تا عمر بودی رونق محفل شہِ ھلال

آمد گہے نہ قرب تو سیلاب پُرخطر ❁ تا حدِ چشم راحتِ ساحل شہِ ھلال

تو در دیار لوح و قلم مفتیٔ عظیم ❁ بہرِ مسافرانِ دیں منزل شہِ ھلال

می داشتی کثیر علومِ کتابِ حق ❁ آمد کسے نہ مدِّ مقابل شہِ ھلال

شدِّ رحال کردی برائے فروغ دین ❁ بر رخصتت الم زدہ ہر دل شہِ ھلال

وابستگانِ فیض و کرم آبدیدہ اند ❁ دریاد بے قرار کہ ہر دل شہِ ھلال

گوہرؔ بصد خلوص کند این دعائے خیر

رحمت شود بہ قبرِ تو نازل شہِ ھلال

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

قطعہ تاریخ وفات

سانحۂ ارتحال عظیم عمی الصغیر حضرت مولانا سید شاہ محمد وجہ اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ

● محمد آیت اللہ قادری پھلواروی

تاریخی فقرات

القائے منعم دو جہاں ولنعم دار المتقین
۱۴۴۳ھ

لطف خاص پروردگار
۱۴۴۳ھ

زبدۃ الصالحین نیک خلق
۱۴۴۳ھ

قضائے ناگہانی وجہ اللہ قادری
۱۴۴۳ھ

عارف زمن مولانا سید شاہ محمد وجہ اللہ قادری
۱۴۴۳ھ

جدائی عم مکرمی مولانا سید شاہ وجہ اللہ قادری
۱۴۴۳ھ

محبوب نیک در رحمت ایزد مستور شد
۱۴۴۳ھ

مایۂ آرام وعدۂ الٰہی الحقنا بہم ذریتہم
۲۰۲۲ء

وا حسرتا! بہ گلشن پھلواریؑ امان ❁ غمگین فضا و حسن چمن چون خزان شدند
مخدوم باوجیہ وجہ اللہ قادری ❁ در رحمت و تجلیٔ رحمان نہان شدند
آن عالم جلیل و شریف و خدا صفات ❁ ہم با شرف بہ پیش خدا بے گمان شدند
ناگاہ چشم بست ز دنیا بزود آہ! ❁ از لطف ذوالمنن بہ امان در جنان شدند
جستم چو سال رحلتش آمد ندا ز غیب ❁ اعداد ہجری غلبۂ شوق آن شدند
۱۴۴۳ھ

آیتؔ! دمے کہ گشت چو مقبول با الٰہ ❁ سوئے بہشت عم مکرم روان شدند
۱۷۸ ۳۶ ۱۸۰۸
۱۷۸+۳۶+۱۸۰۸=۲۰۲۲ء

❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋

قطعہ تاریخ وفات

رحمت اللہ فاروقی
یکی از روزنامہ نویسان بزرگ زبان اردو در دھلی

● ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی —— گوشۂ مطالعات فارسی، علی گڑھ

دیروز بہ حکمِ خالق ھر زاد و نزاد
بخشندۂ مرگ و زیست بہ ھر فردِ عباد
شد راھیِ خلد رحمت اللہ فاروقی
دایم رحمتِ حق بہ روانِ او باد
گر دید ''لَقَدْ غُفِرَلَہٗ'' بی سرِ وھم
۶ ۱۴۴۹
جستیم چو سال فوت او زروی اعداد
۱۴۴۹
-۶
۱۴۴۳

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

کوائف وحالات

● ادارہ

راز و نیاز بلبل و گل ہم سے پوچھئے ۞ نرگس کی آنکھ بن کے رہے ہیں چمن میں ہم

کچھ اپنی..کچھ دوسروں کی

جناب حضور مدظلہ العالی کا سفر عمرہ و زیارت حرمین شریفین :

زیب سجادۂ مجیبی جناب حضور الحاج مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی مع اہل خانہ و صاجزادی سلمہا و صاجزادہ سلمہ عمرہ و زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے، آپ کی رفاقت و ہمرکابی میں متعدد مقامات سے مریدین و منتسبین بھی شامل سفر رہے، یہ جماعت ۱۹/افراد پر مشتمل تھی، جناب حضور مدظلہ العالی نے سب سے پہلے معمول کے مطابق ۶/مئی کو آستانہ حضرت مولانا سید محمد وارث رسول نما بنارسی قدس سرہٗ پر حاضری دی، جہاں جناب حضور مدظلہ العالی کے استقبال میں یوپی و بہار کے مختلف علاقوں سے کثیر متوسلین و معتقدین حاضر تھے۔

۷/مئی کو صبح ۱۰/بجے تا نماز ظہر قل و مجلس کا اہتمام ہوا، اسی دن بعد نماز عشا آستانہ رسول نما پر فاتحہ پڑھتے ہوئے بذریعہ ٹرین کلکتہ پہنچے، راستے میں دھنباد اور آسنسول کے متعلقین نے اپنی محبت و عقیدت کے نذرانے پیش کئے، کلکتہ میں بھی مخلصین و محبین کا ازدحام رہا۔

۹/مئی کو بذریعہ فلائٹ دبئی کے راستے مکہ معظمہ میں ورود ہوا، وہاں ۷/دن عمرہ، طواف، دعا و مناجات میں مشغول رہے۔

۱۷/مئی کو مدینہ طیبہ زادہا اللہ تشریفاً وتکریماً کی زیارت سے مشرف ہوئے اور وہاں کے فیوض و برکات سے مستفیض و مستنیر ہوئے۔

۲۳/مئی کو واپس دبئی تشریف لائے اور وہاں کے مریدین و مخلصین کے اصرار پر دبئی میں ۳/دن قیام فرمایا۔

۲۷/مئی کو کلکتہ واپس ہوئے، کلکتہ میں محترم جناب محمد ساجد قادری مجیبی صاحب کے دولت کدے کو شرف قیام بخشا۔

اس دن جمعہ کی نماز مصری گلی آستانہ حضرت شاہ شمس الدین ابوالفرح مسجد میں ادا فرمائی۔کلکتہ میں آپ کے والد ماجد وشیخ و مرشد حضرت مولانا سید شاہ محمد رضوان اللہ قادری قدس سرہٗ کا حسب معمول سالانہ قل بھی ہوا،قل شریف کے بعد میلاد شریف کی محفل منعقد ہوئی،اس مبارک محفل میں کلکتہ کے مشہور شاعر جناب غلام سعدی قادری صاحب نے جناب حضور مدظلہ العالی کی خدمت میں بہ طور خراج عقیدت منظوم مبارک بادی پیش کی،جو ادبیات کے کالم میں شامل اشاعت ہے۔

۲۹؍مئی کو بذریعۂ ٹرین کلکتہ سے بنارس پہنچے،اس بار بھی بنارس میں متعلقین ومتوسلین کی کافی بھیڑ جمع ہوئی اور لوگوں نے جناب حضور مدظلہ العالی کا پرزور استقبال کیا۔

۳۰؍مئی بعد نماز عصر حضرت مولانا سید شاہ محمد وارث رسول نما بنارسی قدس سرہٗ کے آستانے پر ایک بارونق استقبالیہ تقریب ومحفل میلاد النبی ﷺ آراستہ کی گئی،جس میں قاری محمد رمضان علی مجیبی استاذ دارالعلوم مجیبیہ نے تلاوت کلام اللہ سے محفل کا آغاز کیا،اس کے بعد جناب شمیم اختر مجیبی نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں عمدۃ المتوکلین حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کا خوبصورت نعتیہ کلام ’’ہمارا دل مدینے کی زمیں ہے‘‘ پیش کر کے حاضرین وسامعین کو محظوظ کیا اور حافظ محمد یٰسین خان نے جناب حضور مدظلہ العالی کی لکھی ہوئی نعت شریف ’’رنگ ورعنائی حیات حضور ﷺ‘‘ پیش کی،پھر مولوی لئیق احمد خاں وحافظ تحسین احمد خاں نے منقبت کے اشعار پیش کئے اور صاحبزادۂ گرامی قدر شاہ محمد یمین اللہ قادری سلمہ اللہ وحفظہ نے میلاد شریف پڑھا،صلوٰۃ وسلام کے بعد جناب حضور مدظلہ العالی کی دعا پر محفل کا اختتام ہوا۔اس تقریب سعید میں نظامت کے فرائض مولانا محمد سجاد حسین قادری مجیبی استاذ دارالعلوم مجیبیہ نے انجام دیئے۔اسی دن بعد نماز عشا انتیسویں شریف کا قل ہوا،بعدہٗ ۱۱؍بجے رات تک محفل سماع منعقد ہوئی اور ۳۱؍مئی کو بذریعہ ٹرین پٹنہ تشریف لائے۔

خانقاہ میں تشریف آوری کے بعد معمولات ومشاغل،واردین وصادرین کی حاجت روائی اور درس وتدریس کا سلسلہ بحمدہٖ تعالیٰ جاری وساری ہے۔اللہ رب العزت جل مجدہ الکریم جناب حضور مدظلہ العالی کا سایہ تادیر قائم رکھے،خانقاہ اور مسند مجیبی کی عظمت وشان میں روز افزوں اضافہ ہو اور خلق خدا زیادہ سے زیادہ مستفید ومستفیض ہوں۔

وفیات

جناب مولانا شاہ وجہ اللہ قادری کی رحلت:

امان المستجیرین حضرت مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری قدس سرہ کے چھوٹے صاحبزادے جناب مولانا شاہ محمد وجہ اللہ قادری نے داعی اجل کو لبیک کہا۔وہ کچھ عرصہ سے علیل تھے۔مختلف ہوسپٹل سے ہوتے ہوئے ایک ہفتہ قبل اندرا گاندھی میڈیکل سائنس میں ایڈمیٹ ہوئے تھے۔شوگر کی زیادتی کی وجہ سے وہ گردہ اور جگر کے مرض میں مبتلا ہو گئے تھے۔علاج ہوتا رہا مگر

بیماری بڑھتی چلی گئی۔آخر ۱۹؍ذی القعدہ ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۰؍جون ۲۰۲۲ءسوموار کو ۹ بجے شب میں ہوسپٹل میں ہی ان کا انتقال ہوا۔دوسرے روز ۲۰؍ذی القعدہ منگل کوظہر کی نماز کے بعد خانقاہ مجیبیہ میں نماز جنازہ ہوئی۔حضرت مولانا شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی نے نماز جنازہ پڑھائی۔مجمع اچھا تھا۔ان سے تعلق کی وجہ سے متعدد خانقاہوں کے سجادہ نشین حضرات بھی موجود تھے۔خانقاہ مجیبیہ کے قبرستان ’’باغ مجیبی‘‘ میں تدفین عمل میں آئی۔اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائے۔

مولانا شاہ وجہ اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ کے چھوٹے چچا تھے۔انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے نانا ابا حضرت مولانا شاہ محمد نظام الدین قادری قدس سرہ سے حاصل کی تھی۔ اس کے بعد دارالعلوم مجیبیہ میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا شاہ محمد امان اللہ قادری قدس سرہ، اپنے بڑے ماموں حضرت مولانا شاہ عون احمد قادری علیہ الرحمۃ ،حضرت مولانا مقبول احمد صدیقی علیہ الرحمۃ اور دیگر اساتذہ سے تحصیل علم کیا۔پھر تین سال دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں بھی تعلیم پائی۔بعد میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدی پٹنہ سے عالمیت اور فضیلت کی سند لی۔ایم اے اور پی ایچ ڈی بھی کی تھی۔اپنے والد ماجد علیہ الرحمۃ سے بیعت تھے اور اجازت وخلافت بھی حاصل تھی۔مجذوبیت کا کچھ حصہ ملا تھا۔آخرت کی فکر لگی رہتی تھی،نماز باجماعت کی پابندی اور صدقات نافلہ کی طرف توجہ زیادہ تھی۔بڑے خوش اخلاق اور ملنسار تھے۔ابتدائی دور میں شاعری کا بھی ذوق تھا،عاطف تخلص تھا،بعد میں فکر آخرت نے اس تعلق کو ختم کر دیا۔مگر فارسی اور اردو کے اشعار بکثرت یاد تھے۔

جناب شاہ وجہ اللہ قادریؒ کے پس ماندگان میں اہلیہ محترمہ کے علاوہ ایک صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ شاہ صاحب موصوفؒ کے درجات بلند فرمائے،جنت الفردوس میں مقام عنایت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔خانوادہ مجیبی اور خانقاہ مجیبیہ کے متوسلین کے لئے یہ بڑا اندوہناک حادثہ ہے۔

دارالعلوم مجیبیہ میں آغاز تعلیم :

گہوارۂ علم وادب دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ پھلواری شریف تعطیل کلاں کے بعد اپنے معمول کے مطابق ۱۲؍شوال المکرم سے کھل گیا ہے اور تعلیم وتدریس کا باضابطہ آغاز بھی ہو چکا ہے،بحمدہٖ تعالیٰ دارالعلوم میں درجۂ ناظرہ سے حفظ وقرأت اور عربی اول سے فضیلت (دورۂ حدیث) تک کے طلبہ زیر تعلیم ہیں۔

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ کی فخریہ پیش کش

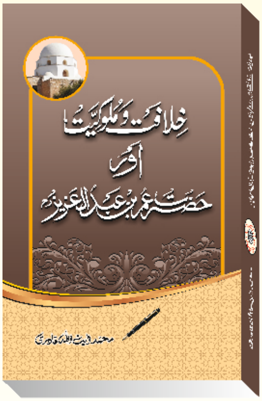

خلافت وملوکیت اور حضرت عمر بن عبدالعزیز

تالیف منیف

جناب حضور الحاج مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی

زیب سجادہ خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف، پٹنہ

نہایت مستند، محقق اور عصر حاضر کی یکتا و یگانہ تصنیف ہے، خلافت وملوکیت اور امارت اسلامی پر نہایت چشم کشا تحریر ہے اور اہل سنت والجماعت کے موقف ومنہج کی طرف مکمل رہنمائی کرنے والی تالیف ہے۔

یہ معرکۃ الآراء کتاب دس ابواب پر منقسم ہے، ابتدائی چار باب بڑی اہمیت کے حامل ہیں، ان میں خلافت کی حقیقت، خلافت کی تعریف، خلیفہ کے لئے ضروری اوصاف وکمالات، انعقاد خلافت کے لئے قریشیت کی شرط، نصب خلیفہ کے اسلامی طریقے، خلافت وملوکیت میں فرق، خلیفہ کے اختیارات، خلافت کے فرائض اور ذمہ داریاں، خلافت علی منہاج النبوۃ کے خاتمے کی وجوہات، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت، حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے خلاف جنگیں، حضرت امیر معاویہ کا اقتدار اور ان کا یزید کو جانشین منتخب کرنا وغیرہ جیسے عناوین وموضوعات پر حضرت مؤلف گرامی مدظلہ العالی نے بھرپور داد تحقیق دی ہے۔

بقیہ چھ ابواب میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی سیرت وسوانح اور ان کے مقام ومرتبت کو حسین و دلکش پیرایے میں مستند ومعتبر حوالوں کے ساتھ منصۂ شہود پر لایا گیا ہے، اس طرح سے یہ کتاب سوانح نگاری کے اعلیٰ اصول پر گامزن ہو کر ایک مکمل تاریخی دستاویز کی حیثیت حاصل کر چکی ہے۔

یہ کتاب ۴۲۴ر صفحات پر مشتمل ہے جس کی قیمت مبلغ -/400 روپے ہے، خواہش مند حضرات دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ سے حاصل کر کے استفادہ کریں۔

رابطہ : +91-7250433562, 9006306098

ISSN 2320-8600 The ALMOJIB Quarterly

Vol.No. :62 April to June 2022 Sl.No. : 02

The only most widely circulated Urdu Quarterly of Bihar

Darul Esha'at Khanquah Mujeebia, Phulwari Sharif, Patna - 801505 Bihar (INDIA)

Cell : +91-7250433562, 9006306098, E-mail : almujeebquarterly@gmail.com

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ کی خصوصی اشاعت

عمدۃ المتوکلین نمبر

یہ نمبر عمدۃ المتوکلین حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی حیات و خدمات پر ایک جامع تذکرہ ہے اور ان کی عظیم الشان و مثالی شخصیت پر ہند و پاک کے مشاہیر صوفیہ و مشائخ، اہل علم و دانش اور ارباب قلم کے گراں مایہ و پُر ارزش نگارشات کا حسین مرقع ہے، اس میں حضرت عمدۃ المتوکلین علیہ الرحمہ کے کچھ احوال و کوائف اور حالات و واقعات زندگی مثلاً آپ کا حسن اخلاق، کرم و سخاوت، علمی و ادبی کمال، تصنیفی و تالیفی اور تحقیقی کارنامے، دینی و ملی خدمات، فقہی بصیرت، فنی مہارت، انداز تدریس و تقریر، عرفان و ولایت میں مقام، زہد و قناعت، توکل و تبتل اور دیگر محامد و محاسن پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس خاص نمبر میں حضرت علیہ الرحمہ کے نقوش حیات، تصوف و عرفان، امتیازات و خصوصیات، اوصاف و کمالات، احوال و آثار اور تالیفات و تصنیفات جیسے اہم عناوین پر تقریباً ۷۰ رگراں قدر اور قیمتی مضامین و مقالات شامل ہیں اور قوم و ملت کی اہم شخصیات کے تاثرات، مکاتیب و پیغامات تعزیت اور قطعات تاریخ بھی درج ہیں، علاوہ ازیں حضرت علیہ الرحمہ کے منظومات اور ان کی شعری تخلیقات کی خاصی تعداد بھی قارئین کے ذوق مطالعہ کی نذر ہے۔ اس طرح یہ خصوصی شمارہ ایک جامع اور مبسوط نمبر کی حیثیت حاصل کر چکا ہے، جو اہل علم و ادب کے ساتھ عام عوام کے لیے بھی معلومات کا گراں بہا خزانہ ہے۔

یہ خاص شمارہ ۵۶۴ رصفحات پر مشتمل ہے، کاغذ بہت عمدہ و مضبوط، طباعت دلکش اور خوبصورت ہے۔

خواہش مند حضرات دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ سے صرف -/500 روپے میں حاصل کر سکتے ہیں۔

رابطہ : +91-7250433562, 9006306098

Published by **Mohd. Minhajuddin Mujeebi** on behalf of Darul Esha'at Khanquah Mujeebia,
Editor : Dr. Shah Fatahullah Quadri, Printed at Taj Offset Press, Daryapur, Patna-800004
and Published at Darul Esha'at Khanquah Mujeebia, Phulwari Sharif, Patna-801505, Bihar (INDIA)